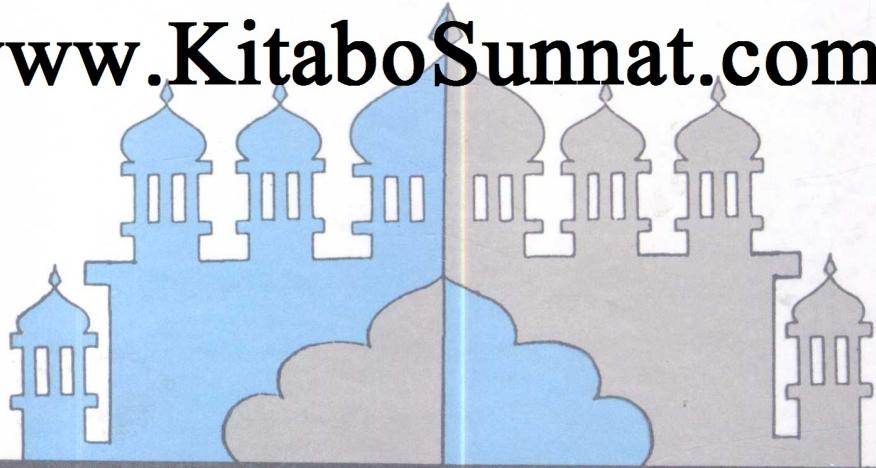
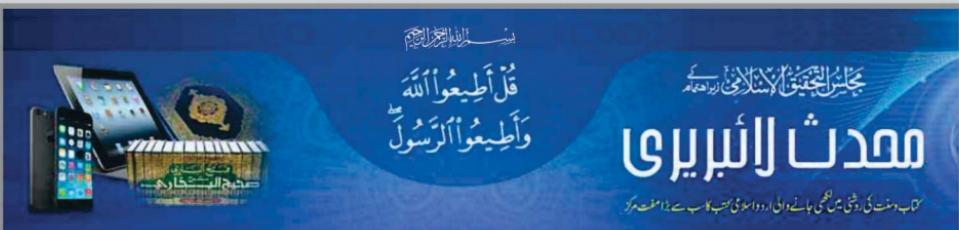


www.KitaboSunnat.com



الله
اصح رايانه

رابعه قذر مکہ مکہ



معزز قارئین توجہ فرمائیں

کتابِ مہنت کی روشنی میں لمحیٰ جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا منتشر کرزا

- **کتاب و سنت ذات کام** پرستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
 - **بیانات التحقیق الislamی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصریق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
 - **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر متمم کتب متعلقہ ناشرپن سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاؤشوں میں بھر پور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com
🌐 www.KitaboSunnat.com

اسلام اور اصول حکومت

(الاسلام و اصول الحكم)

مصنفہ:

شیخ علی عبد الرزق

مترجمہ:

راجا محمد فخر ماجد

www.KitaboSunnat.com

بزم اقبال لاہور

اللّٰم اور اصول حکومت

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ
سن اشاعت ۱۹۹۵ء پر

۱۰

ڈاکٹر غلام حسین ذوالقدر
اعزاںی سیکرٹری
بزم اقبال کلب روڈ لاہور
اظہر سنگ پر شزر لئن روڈ لاہور

مطح

تعداد اشاعت:

صفحات

قیمت

8

14

۸۰ روپے

..... بے ماری اون - الیور
..... 15.217 سر

فہرست

۱۹	ابتدائیہ مقدمہ مصنف
<hr/>	
۲۵	حصہ اول: خلافت اور اسلام <hr/>
<p style="text-align: right;">پہلا باب</p>	
۳۹	خلافت اور اس کا مفہوم <hr/>
<p style="text-align: right;">دوسرا باب</p>	
۴۹	خلافت کی قانونی جیشیت <hr/>
<p style="text-align: right;">تیسرا باب</p>	
۸۳	خلافت، اجتماعیت کے نقطہ نظر سے حصہ دوم: حکومت اور اسلام <hr/>
<p style="text-align: right;">پہلا باب</p>	
۸۳	عہد نبوی میں نظام حکومت <hr/>
<p style="text-align: right;">دوسرا باب</p>	
	رسالت اور حکومت

تیسرا باب

نبوت نہ کر حکومت - - دین نہ کر دولت

حصہ سوم: خلافت اور حکومت تاریخ میں

پہلا باب

وحدت دینی اور عرب

دوسرا باب

دولتِ عربیہ

تیسرا باب

خلافتِ اسلامی

فٹ نوٹ

۱۰۱

۱۲۹

۱۳۱

۱۳۲

۱۵۹

ابتداء

الاسلام و اصول الحكم کے مصنف شیخ علی عبد الرزاق ۱۸۸۸ء میں مکمل میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حسن عبد الرزاق امہ پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور مجلس قانون ساز کے رکن بھی تھے اور مفتی محمد عبدہ، کے ہم عصروں میں سے تھے، شیخ علی دس سال کی عمر میں جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجے گئے اور خوش قسمتی سے انہیں مفتی محمد عبدہ جیسا قبل اسٹارڈ میر آیا شیخ علی نے کچھ عرصہ قدم مصری یونیورسٹی میں بھی (جو اب ختم ہو چکی ہے اور جس کی جگہ امریکن یونیورسٹی لے چکی ہے) تعلیم حاصل کی اور یورپ کے مشہور مستشرقین مثلاً پروفسر نالینو وغیرہ سے استفادہ کیا، جامعہ ازہر سے انہیں پہلی سن ۱۹۱۱ء میں ۲۳ سال کی عمر میں ملی اور وہیں آپ نے علم بیان پر لکھوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی دوران میں آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب ”امالی عبد الرزاق فی علم البیان و تاریخ“ تحریر کی، کچھ عرصہ بعد آپ تعلیم حاصل کرنے آکسیورڈ روانہ ہوئے یہیں جلد ہی پہلی جنگ عظیم کے چھڑ جانے کے باعث واپس آگئے۔ ۱۹۱۵ء میں آپ کو محکم شرعیہ (شرعی عدالت) کا قاضی مقرر کیا گیا اس عبدے پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ آپ اسکندریہ میں ادب عربی پر لکھر بھی دیتے رہے، فلسفہ و تاریخ قانون سے بھی آپ کو دل چسپی رہی، (جیسا کہ آپ نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے) اور اسی وجہ سے آپ کو خلافت کی ماہیت کی تحقیق پر اکسایا اپنی تحقیقات کو آپ نے ۱۹۲۵ء میں ”الاسلام و اصول الحكم“ کے نام سے شائع کیا۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ایک ایسے موضوع پر لکھی گئی تھی جو مسلمانان عالم کے نزدیک صدیوں تک ناقابل تردید رہا اور جسے امر خداوندی سمجھا گیا، اس سے پیشتر کسی مسلمان مصنف نے خلافت کے وجود پر اعتراض نہ کیا تھا اور نہ کسی نے یہ مسئلہ اٹھایا تھا کہ خلافت کا منصب سرے سے ختم کر دینا چاہیے۔ حالانکہ اس کا اعتراف اکثر مصنفین کو تھا

کہ خلافت کا مقصد وہ نہیں رہا جو خلفاء کے مددگار تھا، خلافت کی ضرورت اور اس سے محبت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ جب ۳ مارچ ۱۹۲۳ء کو مصطفیٰ کمال اتاترک نے بنو عثمان کی خلافت کا (بلکہ مطلق خلافت کا) خاتمه کر کے جمہوریہ ترکی کی بنیادی تو ہر طرف سے مسلمانوں نے اس اقدام کی شدید مخالفت کی، دنیا بھر کے مسلمان مشتعل ہو گئے اور انہوں نے سمجھا کہ اب خود اسلام کی عمارت بھی متزلزل ہو جائے گی۔

ہندوستان متحده کے مسلمان بھی اتاترک کی مخالفت میں کسی سے پہچھے نہ رہے اور "عتریک خلافت" ان کے انہیں جذبات کا اظہار تھا ہر مسلمان کی یہ خواہش تھی کہ خلافت کا احیاء کیا جائے اور اگر یہ ادارہ مٹ گیا تو مسلمانوں کی جمیعت پریشان ہو جائے گی اور اسلام کا استحکام خطرے میں پڑ جائے گا۔ شریف حسین شاہ جماز کچھ دیر کے لئے خلافت کا منصب سنبھالنے پر آمادہ ہو گئے لیکن جلد ہی دست بردار بھی ہو گئے۔ ان کے بعد مصر میں فواد اول نے علماء اسلام کی ایک کانفرنس بلائی جس کا مقصد یہ تھا کہ خلافت کا احیاء کیا جائے اور عالم اسلام کی ترقی اور فلاح و نہبود کے لئے کوئی خلیفہ منتخب کیا جائے اس کانفرنس کے پس منظر میں فواد اول کی یہ خواہش کار فرما تھی کہ انہیں اس منصب کے لئے منتخب کر لیا جائے اور یہ کہ وہ مسلمانان عالم کے واحد دینی و سیاسی رہمنا بن جائیں، بہت سے لوگوں نے فواد اول کی اس خواہش کو بخانپ لیا تھا انہیں میں سے شیخ علی عبد الرزاق بھی بیس اور اسی زمانے میں آپ نے یہ کتاب لکھی جس سے در پرده ان کا مقصد فواد اول کے دعوائے خلافت کا ابطال تھا۔ اگرچہ انہوں نے اپنی کتاب میں براہ راست فواد اول کو مخاطب نہیں کیا۔ تاہم اس کا قریبی موجود ہے کہ شیخ علی فواد کی اس خواہش کے حامل نہ تھے اور اسی لئے خلافت کے احیاء کے مخالف بھی، ان کی "حرکت" حکومت مصر کو ناگوار گزری۔ شیخ پر بدعت تراشی کا الزام لگایا گیا، حکومت نے علماء کی ایک جماعت کو مقدمے کی سماعت پر مقرر کیا، ان علماء نے پہنچنے میں کہا کہ شیخ علی عبد الرزاق شعائر اسلام کی توبین کے مرکب ہوئے ہیں اور ایسے خیالات رکھتے ہیں جو ایک مسلم عالم کے شایان ثان نہیں۔ چنانچہ انہیں ازہر کے اساتذہ کی فہرست سے ۱۹۲۵ء میں خارج کر دیا گیا اور عہدہ قضا بھی ان سے چھین لیا گیا۔ حکومت کے اس اقدام کے علاوہ مصر کے مختلف علیٰ حلقوں سے بھی ان کی مخالفت کا ایک طوفان اٹھا اور شیخ محمد بنجیت

(ب خ ی ت) نے، جو کسی زمانے میں مصر کے مفتی اعظم تھے شیخ علی کی کتاب کے جواب میں ایک کتاب "حقیقتہ الاسلام و اصول الحکمر" کے نام سے ۱۹۲۶ء میں لکھی جس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ خلافت اسلام کا رکن اول ہے اور اس کے مخالف اسلام کے مخالف ہیں، شیخ علی کے مخالفوں میں مفتی محمد عبدہ کے شاگرد شیخ رشید رضا بھی شامل ہیں، جو خلافت کے حاوی تھے شیخ رشید رضا کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت ایک ایسا اسلامی ادارہ ہے جس سے مسلمان منکر نہیں ہو سکتے، ترکی میں خلافت کے خاتمے پر رشید رضا نے خلافت کے احیاء کے لئے پوری جدوجہد کی اور جب مملکت نجد و ججاز میں دہبی خاندان بر سر اقتدار آیا تو رشید رضا کو ایک نئی امید پیدا ہو چلی کہ شاید اب خلافت کی تهدید ہو جائے لیکن بد قسمی سے شاہ ابن سعود نے اس منصب کی ذمہ داری اٹھانے کی ہائی نہ بھری -

"اسلام اور حکومت" کے تین اجزاء ہیں :

اول: "خلافت اور اسلام" جس کے تین باب ہیں : (۱) خلافت اور اس کا مفہوم (ب)

خلافت کی قانونی حیثیت (ج) خلافت، اجتماعیت کے نقطہ نظر سے -

دوم: "حکومت اور اسلام" اس کے بھی تین باب ہیں : (۱) عہد نبوی میں نظام حکومت

(ب) رسالت اور حکومت (ج) نبوت نہ کہ حکومت، دین نہ کہ دولت -

سوم: "خلافت اور حکومت تاریخ میں" اس کے بھی تین باب ہیں : (۱) وحدت دینی

اور عرب (ب) دولت عربیہ (ج) خلافت اسلامی -

شیخ علی عبد الرزاق کا نقطہ نظریہ ہے کہ :

(۱) خلافت ایک اسلامی ادارے کی حیثیت سے ختم کر دینی چاہیئے۔ نظری طور پر نملفاء اپنے آپ کو دینی اور دنیاوی امور میں رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب سمجھتے ہیں جس سے انہیں دونوں شعبوں میں مطلق اور مجرد اختیار حاصل ہو جاتا ہے ان سے صرف یہ تقاضا کیا جاسکتا ہے کہ وہ شریعت کے مطابق حکومت کریں لیکن وہ اس کے پابند نہیں بنائے جاسکتے، خلیفہ کو قرآن یا سنت سے کوئی سند حاصل نہیں، کونکہ دونوں میں مخصوص حکومت نہیں، لے دے کر ایک اتحاد کا سہارا رہ جاتا ہے۔ لیکن وہ بھی ایک تاریخی حقیقت کے طور پر ثابت نہیں ہوتا کونکہ خلفاء اور خلافت کے خلاف، ہمیشہ کوئی نہ

کوئی تحریک موجود رہی ہے ۔ یہ کہنا کہ مسلمانوں کی مادی بہبود اور دینی فلاح خلافت پر مخصر ہے صرف اسی حد تک درست ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے بھی دوسری قوموں کی طرح کسی نہ کسی طرح کی حکومت لابدی ہے لیکن اسلام کی ترقی یا زوال خلافت یا کسی اور طرز حکومت سے والبست نہیں ۔

(۲) خلافت کے دینی اور دنیاوی ادارہ ہونے کا نظریہ رسول کرمؐ کے منصب رسالت کی غلط تاویل پر مبنی ہے ۔ آنحضرتؐ کے عہد کی حکومت اور اس کے شعبے بہت حد تک گذانی کے پردوں میں مستور ہیں، آنحضرتؐ کی بعثت کا مقصد یہ نہ تھا کہ دنیا میں ایک نئی ریاست یا نئی حکومت وجود میں آجائے آپؐ کی سلطنت کی بنادلے کے لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے ۔ آپؐ کا اختیار و اقتدار صرف ان معنوں میں مطلق تھا کہ آپؐ بنی تھے اور خدا کے فرستادہ تھے، نہ کہ اس معنی میں کہ آپؐ سلطان تھے ۔ اگر آپؐ نے حکومت یا ریاست کے خارجی عناصر کو اپنایا تو وہ مخفیین کی تبلیغ اور احکام کے لئے تھا اور آپؐ کا مقصد اول یہی تھا ۔

(۳) رسول کرمؐ کی حاکمیت دینی تھی نہ کہ سیاسی اس لئے آپؐ کی نیابت یا خلافت کا نظریہ باطل ہے ۔ خداوند تعالیٰ نے آپؐ کو کسی قسم کا سیاسی اقتدار سپرد نہ کیا تھا اور آپؐ کا منصب نبوت آپؐ کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا ۔ آپؐ منصب نبوت میں کسی کو وارث بنا ہی نہ سکتے تھے اور سیاسی اقتدار چونکہ آپؐ کو حاصل ہی نہ تھا اس لئے اسے منتقل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، آپؐ کی ذات جامع المترقبین تھی اور جب تک آپؐ بنفس نفس مسلمانوں میں موجود ہے کسی تفرقے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا اور نہ وحدت کے لئے خارجی سہاروں کی کوئی ضرورت تھی، آپؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ اگر ان کے درمیان کوئی متفقہ حاکم نہ ہوا تو شاید ان کا شیرازہ بکھر جائے ۔ اسی لئے انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جو صرف سیاسی حاکم تھے نہ کہ دینی، آپؐ کی حیثیت انفرادی تھی اور آنحضرتؐ کی نیابت نہ تھی بعض خاص مصلحتوں کی بنا پر خلیفہ کا لقب ان پر چسپاں کر دیا گیا اور بعد میں انہیں دینی اختیار بھی تفویض کر دیا گیا ۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت مخصوص دینی تھی اس لئے احکام شریعت

بھی صرف دینی امور سے متعلق تھے ، انہیں سیاسی امور سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ انہوں نے مسلمانوں کو کسی خاص طرز حکومت کا پابند بنایا تھا ، حکومت کی نوعیت کا فیصلہ مسلمانوں کی اپنی سہولت پر چھوڑ دیا گیا تھا خدا کے نزدیک یہ امر کہ انہیں کس قسم کی حکومت درکار ہے غیر اہم تھا صرف اس کے مبادیات بیان کر دیئے گئے جن پر عمل کرنے سے وہ اپنی حکومت کی نوعیت خود معین نہ رکھتے تھے ۔

ترکی میں خلافت کے خاتمے کے فیصلے پر شاید ہی کسی سورخ کو اعتراض ہو اور اس فیصلے کی حمایت کرنے پر شیخ علی عبد الرزق سے بھی شاید ہی کسی کو رنج ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ شیخ نے خلافت کے خلاف خامہ فرسائی میں بہت غلو سے کام لیا ہے اپنے تمام عیوب کے باوجود یہ ادارہ استاد اور ناپسندیدہ نہ تھا جتنا کہ شیخ نے اسے ظاہر کیا ہے اس لئے اکثر اوقات ان کا طرز استدلال ناگوار سا گزرتا ہے ۔ ان کے نزدیک چونکہ قرآن اور سنت دونوں میں خلافت کے جواز میں ناکافی ثبوت موجود ہے اس لئے یہ ادارہ اسلامی نہیں یا کم از کم دینی نہیں اس کے بر عکس ہمیں تاریخ کے مطالعے سے یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں نے روز اول ہی سے خلافت پر کو ایک دینی شعار کھجھا اور حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے وقت کسی نے یہ اعتراض نہ اٹھایا کہ چونکہ قرآن اور سنت اس کے حاوی نہیں ، لہذا ہمیں اس کی ضرورت نہیں آئے والے زمانوں میں جہور اسلام اور علماء اسلام نے بھی اس پر انگشت نمائی نہ کی بلکہ بدترین اور ظالم ترین خلفاً کے دور میں بھی کسی نے بخشن اس سبب سے خلافت کو ختم کرنے کی تجویز پیش نہ کی ہم یہ کھجھنے سے قاصر ہیں کہ تیرہ سو سال تک جس ادارے کی حمایت ہر مدرسہ خیال سے ہوتی آئی ہو وہ یک دم غیر اسلامی کیسے ہو گیا؟

اس کے بعد شیخ علی عبد الرزق فرماتے ہیں کہ کسی خلیفہ کو کلی اور کامل بیعت حاصل نہ ہو سکی اور ہر دور میں اقلیت نے مخالفت کی اس لئے دجماع کا ہصول بھی ثابت نہیں ہوتا یہ تصور دجماع کے بارے میں کسی قدر غیر صحیح نظر آتا ہے کیا دجماع کا مقصد سوفی صد حمایت ہے؟ کیا یہ ہصول اس بات کا مقتضی ہے کہ کوئی شخص مخالفت نہ کرے اگر ایسا ہے تو کیا کوئی دور ایسا ہے جس میں کسی ادارے یا فرد کو کامل حمایت حاصل ہوئی ہو؟ اگر نہیں تو پھر دجماع کا تصور کیسے پیدا ہوا؟ کیا دجماع سے مراد اکثریت کی رائے

نہیں؟ اور جب رسول کرم نے یہ فرمایا تھا کہ میری امت کسی غلط بات پر مجتمع نہ ہوگی تو کیا آپ اس امر کا اظہار نہیں فرمائے تھے کہ اکثریت کسی غلط بات پر متعق نہیں ہو گی، البتہ اقلیت ضرور ایسا کر سکتی ہے ہمارے نزدیک ناکام مخالفت کا وجود ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ اکثریت خلافت کی حادی تھی اور حادی رہی ہے اور یہی لمحاء ہے۔

میری بات جو شیخ علی عبد الرازق فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مادی فلاج و بہبود شخص خلافت ہی سے مربوط نہیں۔ اس کام کے لئے کوئی ساطرز حکومت بھی موزوں ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ اسلام شخص عبادات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ایسا ضابطہ جو فرد اور معاشرے کے ہر پہلو کے ارتقاء کے لئے کوشش ہو کس طرح مادی فلاج و بہبود کو نظر انداز کر سکتا ہے؟ خود آنحضرت نے اپنے عبد مبارک میں یہ کبھی نہ فرمایا کہ میرے پاس صرف دینی (یا مذہبی؟) معاملات لاؤ، مجھے تمہاری مادی فلاج اور دنیاوی ترقی سے کوئی سروکار نہیں۔ مادردی (احکام السلطانیت) اور ابن خلدون (مقدمہ) دونوں یہ رائے رکھتے ہیں کہ جو فرانس خلیفہ کے سپرد تھے وہ کوئی اور حاکم سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔ کم از کم کسی اور طرز حکومت میں یہ خصامت نہیں ہو سکتی کہ وہ دین کی حفاظت، شعائر اسلامی کا نفاذ اور احکام شریعت کا اجرا، (جن پر عمل کرنے سے ہی دنیاوی ترقی کی خصامت دی جا سکتی ہے) اسی طرح کرے گی، جس طرح خلافت، اسلام میں بنی نوع انسان کے معاشرتی اقتصادی، سیاسی اور دیگر امور کا پورا پورا الحاظ رکھا گیا ہے اسلام کا مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جس میں انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں توازن پیدا کیا جائے اور اسے کامل زندگی گزارنے کا سلیمانی سکھایا جائے یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب طرز حکومت اس سے ہم آہنگ ہو اور ”دین“ کا جزو ہو یونانی فلاسفہ بھی یہ بات جانتے تھے کہ ایک عادل شخص کسی طرح بھی غیر عادل ریاست میں عادل نہیں رہ سکتا۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ریاست تو غیر عادل ہو اور افراد کی مادی ترقی ہمیات ”عادل اللہ“ ہو؟ یہ بات کچھ عجیب سی نظر آتی ہے کہ افراد تو مسلمان ہوں اور اپنے دین کے حصولوں پر پورے خلوص سے عمل کرنا چاہتے ہوں لیکن وہ ریاست یا حکومت کے معاملے میں اس بات پر راضی ہو جائیں کہ چلتے ”غیر اسلامی“ حکومت ہی ہی! اس طرح مادی ترقی تو ممکن ہے حاصل ہو

جائے لیکن اس کی کیا صفات ہے کہ وہ دین سے متعارض نہیں ہو گی؟ مثال کے طور پر مادی ترقی کے لئے سود انتہائی ضروری بھا جاتا ہے لیکن کیا اسے "جائز" کرنے سے دینی ترقی بھی حاصل ہو گی؟ اور کیا ایسی ریاست "اسلامی" کی جا سکتی ہے جس میں سود، شراب اور لمب خزری مسلمان آبادی کی مادی ترقی کے لئے ضروری شرط قرار دے دیتے جائیں اس لئے بنیادی نکتہ ہمارے نزدیک یہی ہے کہ "خلافت" سے مراد ایسی حکومت ہے جو تمام شعائر دین کی محافظ و نگران ہو اور اس کے احصوں کار اور دین کے کام میں کوئی تناقض نہ ہو یہ مقصد کسی اور طرز حکومت سے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ اور اگر کوئی اور طرز حکومت بھی اس احصوں کی تقلید کرے تو اسے بھی "خلافت" کہنے میں کیا حرج ہے؟ جس طرح ہر وہ طرز حکومت جو عوام کو جواب دہ ہو، جمہوری اور ہر وہ طرز حکومت جو آزادی ملکن ہو استبدادی کہلاتا ہے (خواہ ان کے داخلی عناصر کے لحاظ سے ایک ہزار ایک قسمیں بن سکتی ہوں) اسی طرح ہر وہ طرز حکومت جو اسلام کے بنیادی احصوں کا تابع ہو اور ان سے سرتاسری نہ کرتا ہو "خلافت" کہا جا سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آخری دور میں اگر خلافت وہ نہیں رہی جو صدر اول میں تھی لیکن کون سا طرز حکومت ہے جو مرور زمانہ سے اپنی پستہ نہ بدل لے؟ اسلام میں سیاست و مذہب کو کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں بھاگا گیا۔ آج کے نظریات اور صدر اول کے نظریات میں ایک واضح فرق یہ ضرور ہے کہ آج مذہب کو سیاست کا غلام بلکہ آر کار بنایا جاتا ہے اس وقت سیاست مذہب (دین ؟) کے تابع اور اس کا ایک جزو تھی۔ اولین مقصد دین کا قیام و تبلیغ تھا اور سیاست اسے حاصل کرنے کا مخفی ایک ذریعہ تھی۔ جو سیاسی عمل دین سے مطابق نہ تھا وہ کسی طرح بھی قبل قبول نہ تھا اور دین جس بات سے مانع تھا وہ سیاست نہ بن سکتی تھی۔ قرآن حکم تھا اور سیاست سرمو بھی قرآنی احکام سے اخراج نہ کر سکتی تھی۔ یہی وہ کسوٹی تھی جس سے غلط اور صحیح سیاست میں امتیاز ہو سکتا تھا اور یہی وہ ذریعہ تھا جس سے ظالموں اور جاہدوں کی "سیاست" سے نجات حاصل کی جا سکتی تھی۔ اسلام میں خلیفہ "حاکم" نہیں ہے وہ افسر ہے نہ صاحب جبروت، وہ راہب اعظم ہے نہ دیوتا وہ جمہور میں سے ایک فرد ہے اور عوام کا خادم ہے۔ جسے مخفی اس کی ذیانت، صیانت رائے اور ذیانت کے سبب مسلمانوں کے امور کا نگران بنایا جاتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ احکام

خداوندی پر خود عمل کرے اور دوسروں سے عمل کرائے اور لپٹنے منصب کو مختص ایک امانت تصور کرے جس کے لئے وہ خدا اور عوام کے سامنے جواب دے گے۔

یہاں ایک اور بات کا انہیمار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ تفصیل کی گنجائش نہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ شیخ علی عبد الرزاق نے خلافت کی مخالفت موجودہ دور کے ایک ہنایت مسموم اور غلط نظریے پر رکھی ہے، انہوں نے اس نظریے کا بر ملا ذکر تو نہیں کیا تاہم ان کے طرز استدلال سے ضرور نہیاں ہے۔ یہ نظریہ ہے "نیشنلزم" یا فلسفہ وطنیت، یہ فلسفہ مغرب کی لہجاد ہے اور ایک لحاظ سے مذہب سے بیزاری کا نتیجہ ہے پندرھویں، سو ہلکویں صدی عیسوی سے یورپ نے رفتہ رفتہ اس تصور کی طرف سرکنا شروع کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمزی ہشمتم کا پوپ کی اطاعت سے انکار دراصل حب وطن کی بننا پر تھا۔ (اگرچہ اس میں ہمزی کی اور بھی بہت سی ذاتی اغراض شامل تھیں) یہ "نیشنلزم" کی گویا ابتدا تھی۔ اس کے بعد یورپ ہی میں میکاڈیلی جیسے مفکرین نے اس فلسفے کو صیقل کیا اور زیادہ پہنچدار اور خوش نما بنایا کہ سامنے پیش کیا۔ وہ سیاست دان جو "جوع الارض" کی لا علاج بیماری کے شکار تھے یا وہ جنہیں ذاتی اقتدار کی ہوں بری طرح ستاری تھی اس فلسفے کی طرف پہنچے اور رفتہ رفتہ اس کی اساس پر یورپ کی تمام قوی ریاستوں کی عمارتیں استوار ہوئیں اور آج نسل انسانی کو متحکم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی فلسفہ ہے جس کا انہیمار "اقوام متحده" جیسے وقیع ادارے کی مجالس میں اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس فلسفے کی بنیاد انسانی یک جنتی اور وحدت قلر پر نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب وحدت دین کو خارج کر دیا جائے تو سیاسی اور اقتصادی اختلافات ناگزیر ہو جاتے ہیں۔

۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۴ء تک کا زمانہ اسلامی ملکوں کے لئے بڑا معنی خیز ہے۔ یہی وہ دور ہے جس میں "نیشنلزم" کے جراحتیں ان ملکوں میں بھی سرایت کر گئے۔ اس کی ابتدا ترکی سے ہوئی اور پاکستان تک پہنچی۔ عرب اقوام نے جمال الدین افغانی مرحوم کو فراموش کر دیا اور ہم نے اقبال مرحوم کو، بنی نویں انسان کے ابتلاء کا یہ حال ہے کہ دنیا بھر کے میکے نہ بھی یک جنتی کو پس پشت ڈال کر ملی اور وطنی اختلافات کے باعث کم از کم دو مرتبا ساری دنیا کو خوفناک جنگوں کی آزمائش میں ڈال پہنچے ہیں اور دنیا بھر کے مسلمان

لپنے دینی اتحاد کو بھول کر اور اپنی اپنی قوم اور اپنے لپنے وطن کی بزرگی کے نئے میں سرشار ہیں ۔ ”مذہب کے باعث نبی نوع آدم میں تفرقہ پیدا ہوا“ بجا ہے ۔ لیکن مذہب کو ترک کر کے دنیا کو کیا ملا ؟ محض انتشار اور باہمی رقبتیں ، دینی وحدت کو ترک کر کے وطن کے تنگ دائرے میں رہنے سے جو مصائب آج پیش آر ہے ، ہیں اس کی مثالیں ایک طرف روس اور امریکہ کی آویزش اور دوسری طرف پاکستان اور افغانستان کی نزاں ہست واضح ہیں ۔ یہ ہے وہ ”نعم البدل“ جو مذہب کو چھوڑ کر نیشنلزم کی صورت میں دنیا کو ملا ۔

اسلام نے وطنیت کے نظریے کی مخالفت اسی سبب سے کی ہے یعنی وطن کا وہ تصور اور اس کی وہ محبت جو دین کی یک جہتی کو فنا کر دے اور اس کی بنیادوں کو متزلزم کر دے ناقابل قبول ہے ۔ تمام مسلمان ممالک اسلام کے بنیادی اصولوں پر متفق ہیں لیکن آج وطنی اور سیاسی مصلحتیں وحدت کے راستے میں حائل میں ”خلافت“ کے معائب و محسن سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم صرف یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں ۔ کیا مسلمان ممالک کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک CONFEDERATION قائم کر لیں ؟ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے ہم آپس کے چھوٹے موٹے اختلافات دور کر سکتے ہیں ۔ اس طرح تمام مسلمان ملکوں کو ایک مرکز حاصل ہو سکتا ہے جس کے اختیارات محدود ہوں اور جس کے ذمے چند متفقہ امور ہوں (مثلاً دفاع ، امور خارج ، رسول و رسائل اور نقدی) ، ان کی ایک پارلیمنٹ ہو ، ایک مرکزی انتظامیہ اور ایک عدالت ہو ۔ جس طرح ”اقوام متحده“ میں ہے مقایی طور پر ہر ملک خود مختار اور آزاد ہو اور اندر وطنی معاملات کو لپنے مخصوص حالات کی بنا پر سمجھائے ۔ اس طرح مسلمان ملکوں کو نہ تو کسی خاص ، بلاک سے منسلک ہونا پڑے گا اور نہ لپنے محدود ذرائع کا ماتم کرنا پڑے گا ۔ آپس میں متحد ہو کر وہ دفاعی تدبیر بھی اختیار کر سکتے ہیں اور دنیا کے امن و سلامتی کے لئے کوشش بھی ہو سکتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ”اتحاد وطن“ کے تنگ دائرے سے نکل گر ”حصار ملت“ کو مضبوط کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے ، کیونکہ :

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک !

بہر حال خلافت کے اعلیٰ منصب (اور اعلیٰ مقصد) کی پامالی اور زیوں حالی پر جو تنقید شیخ علی عبد الرزاق نے کی ہے ، میں اس پر بھی غور کرنا چاہتے ۔ ان کا بجزیہ بالکل

بے معنی نہیں۔

اس ترجمے کے لئے میں اپنے محترم استاد پروفیسر دلفڑی سی، استحکم، ڈاکٹر مکٹر انٹشی نوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، میکل یونیورسٹی، مانٹریال (کینیڈا) کا از جد ممنون ہوں۔ جب میں نے اپنا یہ ارادہ ان پر ظاہر کیا (جب میں اس انسٹی نوٹ میں ۵۳ - ۱۹۵۲ء میں ریسرچ اسٹڈیٹ تھا) تو انہوں نے اسے بے حد پسند فرمایا اور میری حوصلہ افزائی کی۔ ان کے پر خلوص جذبے کے بغیر شاید میں اس کام کا بیڑا نہ اٹھا سکتا۔ انہیں سے مجھے معلوم ہوا کہ اس کتاب کا ترجمہ بہت عرصہ پیشتر مسٹر چارلس ایڈمز (C. ADAMS) نے انگریزی میں بھی کیا تھا لیکن وہ بعض دجوہ سے شائع نہ ہو سکا میرے پاکستان چلے آنے کے بعد پروفیسر موصوف نے انگریزی ترجمے کا TAT PHOTOSTAT مجھے مہماں بھجوایا، اور خود قابوہ جا کر کتاب کے مصنف سے ان دونوں ترجموں کو خالق کرنے کی اجازت حاصل کی ان کی دلچسپی اور شغف کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے میں نے اگرچہ اردو ترجمہ براہ راست عربی سے کیا ہے "تام انگریزی" ترجمے سے مقابل بھی کر لیا ہے۔ میں نے اپنے ترجمے میں چند حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ قرآنی آیات اصل کتاب میں حوالے کے بغیر درج تھیں میں نے (اور مسٹر ایڈمز نے بھی) یہ حوالے مہماں کر دیتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسٹر ایڈمز کے ترجمے میں آیات کا متن درج نہیں صرف ترجمہ ہے۔ میں نے متن اور ترجمہ دونوں دیتے ہیں۔ ترجمے اور حوالے کے لئے میں نے شاہ عبد القادر دہلوی مرحوم کا ترجمہ قرآن منتخب کیا تھا۔ مسٹر ایڈمز نے کوئی اور نظر قرآن چتا ہے اسی لئے آیات کے نمبروں میں آپ کو اختلاف نظر آئے گا کوئکہ قرآنی آیات کی تعداد عام طور پر مختلف نسخوں میں مختلف ہے۔

مہماں میں اظہار تشکر کے لئے اپنے محترم استاد پروفیسر احقیق موسی الحسینی (جامعہ امیر کیہ، قابوہ مصر) کا ذکر ضرور کرنا چاہتا ہوں پروفیسر موصوف اس زمانے میں جب میں انسٹی نوٹ میں تھا وہاں ایک سال کے لئے Visiting Professor کی حیثیت سے تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے اس ترجمے کے سلسلے میں بے حد مدد دی اور اکثر مشکل مقامات سمجھائے اور بعض تھیں دور کرنے میں میری نیانت فرمائی، انہوں نے ایک دوست کی طرح جس خندہ پیشانی سے ہمیشہ وقت نکال کر، میری دقتیں رفع کیں میں

اس کے لئے ان کا اہتمائی ممنون ہوں۔ ان کی تعریج و تفسیر کے بغیر ممکن تھا کہ میں کسی
ٹھوکریں کھاتا۔

احسان ناشناختی ہو گی اگر میں اپنے جامع صفات دوست محترم ضیاء الدین احمد
صدیقی ایم۔ اے، لپکار شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ کالج شکنپورہ کا ذکر نہ کروں جن کی
معیت میرے لئے بہرہ وجوہ نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ انہوں نے کمال ذرہ نوازی سے
ترجمے کے مسودے کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور اکثر مقامات پر اپنی ناقدانہ اور مشفقات رائے
سے نوازا میں دلی طور پر ان کا احسان مند ہوں۔ افسوس کہ ان کی رفاقت میرے لئے
بہت مختصر ثابت ہوئی اور ہم دو مختلف مقامات میں تبدیل ہو گئے:

روئے گل سیر نہ دیدم و بہار آفرشد

لاہور ۱۹۶۰ء

راجہ ف۔ م۔ ماجد

مقدمہ مصنف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں شہادت دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں میں اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا اور اس کے علاوہ کسی سے خائف نہیں، سب قوت اور عزت اسی کے لئے ہے اور اس کے علاوہ سب ضعیف و حیری ہیں، دنیا اور آخرت میں سب تعریف اسی کے لئے ہے۔ وہو حسبی و نعم الوکیل!

میں اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں جنہیں خدا نے شہید، مبشر اور نذیر بنایا کر بھیجا اور خدا ہی کی اجازت سے انہیں ہدایت کی طرف دعوت دینے والا بنایا اور انہیں سراج منیر بنایا۔ صلی اللہ و ملائکتہ علیہ و سلموا تسلیماً کثیراً

۱۳۲۳ھ (۱۹۱۵ء) میں مجھے مصر میں محکم شرعیہ (شرعی عدالت کا قاضی) بنایا گیا، اس بات نے مجھے آنادہ کیا کہ میں شرعی قوانین کی تاریخ پر تحقیق کروں۔ عدالیہ اپنی تمام اقسام کے ساتھ حکومت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور اس کی تاریخ حکومت کی تاریخ سے بہت زیادہ متصل ہے۔ اسی طرح محکم شرعیہ حکومت اسلامی کا ایک رکن رکن ہیں اور اس کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ لازمی امر ہے کہ جو شخص ان عدالتوں کا مطالعہ کرنا چاہے وہ اس کے رکن اول یعنی "اسلام میں حکومت" سے ابتداء کرے گا۔

اسلامی حکومت کی عمارت (جیسا کہ لوگ کہتے ہیں) خلافت یا امامت عظیٰ پر قائم ہے، اس لئے اس کی بحث ضروری ہے اس تحقیق کو شروع کئے ہوئے مجھے اپنے سال گزرے ہیں لیکن میں اس ابتدائی بحث سے آگے نہیں جا سکا اور انتہائی کوشش کے بروجود ان صفات سے زیادہ نہیں لکھ سکا میں انہیں کو انتہائی محجز اور کم مانگی کے اساس کے ساتھ ان لوگوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جنہیں اس موضوع سے دلچسپی ہے۔

میں نے اسے تاریخِ عدالت کی تحریک کی تہذیب بنایا ہے اور اس میں میں نے خلافت اور اسلامی نظریہ حکومت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے اس میں بحث کے ہر ہمہ لوگوں کا احاطہ کیا ہے میرے لئے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ میں بعض موقعوں پر لمحال سے دامن پچھے سکوں۔ اس لئے میں نے اکثر مخفی اشارات پر اکتفا کیا ہے ممکن ہے قارئین کا ایک طبقہ نہیں بہم کجھے۔ یہ ایسے اشارات ہیں جن کی صفت شاید ان سے پوشیدہ رہے یا ممکن ہے وہ ان کے لئے ایک معتمد ثابت ہوں۔ یہ ایسے استعارات ہیں جنہیں، ممکن ہے۔ وہ حقائق بھیں اور حقائق جنہیں وہ استعارات تصور کریں!

اگر خدا نے مجھے اس بحث کو جاہی رکھنے کی سعادت بخشی تو مجھے امید ہے کہ میں ان اور اُن کے مقابلے کا (جن سے میں آگاہ ہوں) تدارک کر سکوں گا۔ ورنہ یہی بھاجانے کر میں نے محققین کے لئے ایک ایسا نشان را چھوڑا ہے جس کی مدد سے وہ اپنی جدت رائے سے کوئی نبی بات دریافت کر سکیں۔ میں نے اپنے خیالات کی وضاحت کر دی ہے اور ان میں میری شدت رائے کو کوئی دخل نہیں ممکن ہے محققین ان میں آئندہ عمارت کے لئے کوئی صالح بنیاد تلاش کر لیں یا پہ ایسا نشان مزلاں بن جائیں جس سے راہ حق کا مسافر ہے ایسے پاسکے۔

یہ اور اُن میری اس کوشش کا نتیجہ ہیں جو میں نے پورے طور پر ان پر صرف کی ہے میں نے ان پر کئی سال لگائے ہیں یہ سال مشکلات، ذہنی ملحوظوں اور گونا گون پریشانیوں سے پرستھے میں اگر ایک دن کام کرتا تھا تو حوادث مجھے کئی دن اس سے روک لیتے تھے۔ پھر اگر چند میسینے مجھے فرست ملن تو کئی سال اس سلسلے کو منقطع کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے نسبت نہیں کہ میں جس صورت میں اسے پیش کرنا چاہتا تھا وہ اسے میر نہیں آسکی، نہ اس میں وہ تیقین ہے جو ہونا چاہیے تھا۔ تمام یہ میری وسعت نفس کی اہتا ہے اور یہ میری بحث کی حد ہے۔

لَا يَكْلُفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسَعَاهَا لَهَا مَا كَسِبَتْ وَعَلَيْهَا مَا أَكْتَسِبَتْ رَبُّنَا لَا تُؤَاخِذُنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَلْنَا رَبُّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا

اصرأ كمأحملت على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقتة
لناب واعف عننا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على
القوم الكافرين ○○

النchorه

بروز چهار شنبه ، رمضان ١٣٣٣ھ

مطابق ١٩٢٥ء۔ کیم اپریل

علی عبد الرزاق

حصہ اول

خلافت اور اسلام

پہلا باب

خلافت اور اس کا مفہوم

(۱) "خلافت" کے لغوی معنی ۲ - اصطلاح اور خلافت
 ۳ - "خلفیہ نائب رسول" ہے، اس کا مفہوم
 ۴ - "خلفیہ" کی وجہ تسمیہ ۵ - خلیفہ کے حقوق
 ۶ - خلیفہ کو شریعت نے محدود کر دیا ہے ،
 خلافت اور ملوکیت ۸ - "خلفیہ" کے اختدار کا سرچشمہ کیا ہے
 ؟ ۹ کیا اس کا سرچشمہ خدا ہے؟ ۱۰ - کیا
 امت ہے ۱۱ - یورپ کے مفکرین میں اسی قسم کے
 اختلاف کا ظہور)

(۲) "خلافت" فعل "خلف" سے بنتا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں "کسی کا جانشین بننا" "تکلف" کے معنی ہیں: "کسی کا قائم مقام ہونا، کسی کے بعد آنا، کسی کی جگہ ناظم امور بننا" - عام معنوں میں "خلف" اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی کی بجائے کوئی کام سرانجام دے، خواہ اس کی زندگی میں خواہ اس کے بعد قرآن مجید میں آیا ہے:
 "ولو نشأ لجعلنا منكم ملائكة في الأرض يخلفون"
 (اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے کہ وہ زمین میں جانشین ہوتے) (سورہ، زخرف: ۲۳)

خلافت کسی دوسرے شخص کی نیابت ہے اور وہ یا تو مقرر کرنے والے کی غیر موجودگی کی وجہ سے یا اس کی موت سے یا اس کے ذاتی عجز کی وجہ سے واقع ہوتی ہے ۔ خلیفہ کی جمیع "خلاف" ہے اور "خلافاء" کا واحد خلیف ہے (۱) اور "خلیفہ" درحقیقت "سلطان اعظم" ہے (۲) ۔

(۲) - مسلمانوں کی اصطلاح میں "خلافت" (اور اس کا مترادف "امامت") : "ایک ریاست عامہ ہے جس کا حامل امور دین و دنیا میں آنحضرت کے نائب کے طور پر کام کرتا ہے" ۔ (۳) بیضادی (۲) کا قول اس سے مشابہ ہے: "امامت کا مطلب کسی شخص کا قوانین شرعی کو قائم کرنے اور حدود ملت کی حفاظت کرنے کے لئے آنحضرت کا ایسے طریقہ سے خلیفہ ہونا ہے کہ تمام امت اس کی اطاعت کرے" (۵) ۔

ابن خلدون نے گویا اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے: "(شريعت کے مطابق) خلافت کا مفہوم تمام امت پر ان معاملات میں جو دنیا اور آخرت دونوں میں ان کے فائدے کے لئے ہیں ضبط و اختیار ہے، امور اخروی، امور دنیاوی سے مربوط ہیں کیونکہ شريعت کے نقطہ نظر سے دنیاوی امور، امور آخرت کے مفاد سے متعلق ہیں اس لئے درحقیقت یہ دین کی حفاظت اور دنیاوی امور کے انتظام کی خاطر شارع اسلام کی نیابت ہے" (۶) ۔

(۳) جو کچھ کہا گیا ہے اس کی تشریع یہ ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک خلیفہ اپنے منصب میں آنحضرت کا قائم مقام یا نائب ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول کریم اپنی زندگی میں دین کے معاملات کے ذمہ دار تھے جو انہیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوئے تھے اور وہ ان کے نفاذ اور حفاظت پر مامور تھے، جس طرح کہ انہیں رسالت، تبلیغ اور لوگوں کو خدا کی طرف بلانا اللہ کی طرف سے تفویض ہوا تھا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح خدا نے آنحضرت

کو دعوت حق رہنا اور لوگوں تک شریعت مقدسہ پہنچانا بنشنا تھا ، اسی طرح اس کے مطابق انہیں دین کی حفاظت اور سیاست دنیا میں بخشی تھی (۱) چنانچہ جب آنحضرتؐ کی رحلت ہوئی تو ان کے بعد خلفاء حفظ دین اور سیاست دنیا میں آپؐ کے قائم مقام ہوئے ۔

(۲) ان امور میں قائم مقام کو لوگوں نے " خلیفہ " اور " امام " کہا ۔ ان کا کہنا ہے کہ اسے امام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز میں امام ہو اور اس کا اتباع اور اقتدار کیا جائے ، وہ خلیفہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ امت میں نبیؐ کا قائم مقام ہے ، اس لئے اسے محض " خلیفہ " یا خلیفہ رسول اللہ کہا جاتا ہے ، اسے خلیفۃ اللہ کہنے میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض اسے جائز سمجھتے ہیں لیکن جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے ، حضرت ابو بکرؓ کو جب اس لقب سے پکارا گیا تو انہوں نے منع فرمادیا اور کہا کہ میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں بلکہ صرف خلیفہ رسول اللہ ہوں " ۔ (۸)

(۵) ان لوگوں کے نزدیک خلیفہ کا اپنی امت میں وہی مرتبہ ہے جو رسولؐ کا مسلمانوں میں تھا ، اسے لوگوں پر پورا اختیار ، کامل اطاعت کا حق اور مکمل اقتدار حاصل ہے ۔ اسے ان کے دینی امور میں بھی پورا پورا حق حاصل ہے اور وہ ان میں اس کے قوانین اور شرائع نافذ کرتا ہے ، اسی طرح اس کو امت کے دینی امور پر بھی اختیار حاصل ہے اور لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی عربت و تکریم کریں ۔ کیونکہ وہ رسولؐ کا نائب ہے اور چونکہ مسلمانوں میں کسی کا مرتبہ رسولؐ کے مرتبے سے بالاتر نہیں ہے اس لئے ہر وہ شخص جو آپؐ کا نائب بنالیے مرتبے کو پہنچ گیا جہاں نوع بشر میں سے کسی اور کے لئے پہنچنا ممکن نہیں لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسولؐ سے اس کی نسبت ہونے کی وجہ سے اس کا احترام کریں کیونکہ وہ دین خدا کی حفاظت کرنے والا

اور اس پر ایں مقرر ہوا ہے ، مسلمانوں کے نزدیک دین اس عالم کی تمام اشیاء سے فائق ہے ، اس لئے جو شخص امور دین کا ذمہ دار ہو وہ دنیا کی عزیز ترین اور عمدہ ترین چیز کا ذمہ دار ہے ۔

لوگوں پر فرض ہے کہ وہ ظاہر اور باطن میں اس کی بات سنیں اور مانیں (۹) کیونکہ حکام کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے (۱۰) امام کا حکم دینا اور (لوگوں پر) اس کی اطاعت کرنا فرض واجب اور امر لازم ہے ۔ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی اور اسلام کا دار و مدار اسی پر ہے (۱۱) ۔

محضر یہ کہ سلطان رسولؐ کا خلیفہ ہے اور وہ دنیا میں خدا کی طرف سے پاسبان ہے اور لوگوں پر خدا کا ظل محدود ہے (۱۲) اور جو شخص خدا کی زین پر اس کا سایہ ہو اور رسولؐ کا خلیفہ ہو اس کا اقتدار عام اور مطلق ہے جس طرح خدا اور اس کے رسولؐ کا اقتدار ہے ۔ اس لئے پھر یہ تحب کی بات نہیں اگر اسے "لوگوں کی جان مال اور مساع پر پورا پورا تصرف اور قبضہ" حاصل ہو (۱۳) صرف اسی کو امر و نہیں کا حق حاصل ہو اور زمام امت صرف اسی کے ہاتھ میں ہو اور معمولی یا اہم سب کاموں کا انتظام بھی اسی کے پاس ہو اس کے اقتدار کے علاوہ ہر ادنیٰ اقتدار و اختیار اسی سے ماخوذ ہے اور ہر عہدہ جو اس کے ماتحت ہے اس کی حکومت میں شامل ہے اور ہر دینی یا دنیاوی امر اسی کے منصب کی شاخ ہے "کیونکہ منصب خلافت دین اور دنیا دونوں پر مشتمل ہے ۔ (۱۴)" گویا کہ وہ امام کبیر ہے اور اصل جامع ہے سب (شانخیں) اسی کی ذات سے پھوٹتی ہیں اور اس کی جزویں کیونکہ خلافت سب پر حاوی ہے اور ملت کے دینی اور دنیاوی سب معاملات پر اسے تصرف حاصل ہے اور عموماً احکام شرع کا نفاذ (اسی کے ذمے ہے) (۱۵)

اقتدار میں خلیفہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور نہ اس کے علاوہ کسی اور کا مسلمانوں پر اقتدار ہو سکتا ہے (سوائے اس حکومت کے جو خلافت کو جو ابدہ ہو اور خلیفہ سے اقتدار حاصل کئے ہوئے ہو) چنانچہ دولتِ اسلامیہ کے سب عمال حاکم اعلیٰ کے نائب ہیں اور ہر وہ شخص (مشائخ وزیر، قاضی، والی یا محتب وغیرہ) جو مسلمانوں کے دینی یا دنیاوی امور پر کسی قسم کا اختیار رکھتا ہو اسی کے ماتحت ہے، اور صرف وہی ان کے تقرر و معزولی پر، انہیں اختیار عطا کرنے پر اور انہیں اتنا اقتدار دینے پر قادر ہے جتنا وہ موزون سمجھے۔

(۲) خلیفہ کے بارے میں جتنے مباحث ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک خلیفہ اپنے اقتدار میں حدود شریعت کا پابند ہے اور وہ ان سے ماوراء کوئی بات نہیں کر سکتا، وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ مسلمانوں کو سب راہوں کے سوا صرف ایک معین راستے پر چلانے گا یہ راستہ بالکل صاف ہے اس میں کوئی کھلا نہیں اور سیدھا ہے جس میں کوئی موڑ نہیں، شریعت نے اس کی ابتدا اور انتہا بھی واضح کر دی ہے۔ اس کے سنگ میں نصب کر دیئے ہیں اور اس کے نشیب و فراز ہموار کر دیئے ہیں اور اس کے تاریک موزوں کو روشن کر دیا ہے۔ شریعت نے اس راستے پر چلنے والوں کے لئے منازل بھی معین کر دی ہیں اور مسافروں کے لئے قدم ناپ دیئے ہیں۔ اب یہ کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس راستے سے بھٹک جائے یا صوبتیں اٹھائے کسی خلیفہ کے لئے بھی اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں یہ راستہ دین اسلام کا راستہ ہے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عرصہ دراز سے لوگوں کو روشناس کرا رکھا ہے یہ وہ راستہ ہے جسے قرآن، سنت محمدیہ اور اجتماع امت نے مقرر کیا ہے۔

لیکن اپنے یہ لوگ خلیفہ کو قیود شریعت کا پابند گردانتے ہیں اور سمجھتے ہیں

کہ اگر وہ کبھی منہ زور بنتا چاہے تو یہ اسے روکنے کے لئے کافی ہیں اور اگر وہ نہ ہوا ہو تو اسے سیدھا کرنے کی نہماںت ہیں - ان میں سے بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر خلیفہ قائم یا فاجر و فاسق ہو تو اسے خلافت سے معروض بھتنا چاہیے - (یا کر دینا چاہیے)

(۴) اسی سبب سے لوگوں نے خلافت اور ملوکیت میں فرق کیا ہے اس لئے کہ " مطلق ملوکیت کا مقصد سب کو اغراض اور خواہشات نفسانی کا پابند بنانا ہے سیاسی ملوکیت کا مقصد عقلی نقطہ نظر سے دنیاوی منفجیں عطا کرنا اور دفع ضرر کرنا ہے اور خلافت کا مقصد لوگوں کو شریعت کے مطابق ڈھالتا ہے " (۱۶) اور اسی لئے ابن خلدون کی رائے یہ ہے کہ خالص خلافت اسلام کے صدر اول میں حضرت علیؓ کے عہد کے آخر تک ہی تھی " اس کے بعد وہ ملوکیت بن گئی لیکن خلافت کا مفہوم یعنی دین اور مختلف مذاہب کے چیزیں چیزیں اصولوں پر عمل کرنا اور راہ حق پر چلتا باقی رہا ، اور سوائے اس اصول غالب کے جو ہٹلتے دین تھا اور پھر عصیت اور طاقت بن گیا کسی چیز میں تبدیلی واقع نہ ہوئی ، یہ حال معاویہ ، سروان ، عبد الملک اور بنو عباس کے ابتدائی خلفاء یعنی ہارون الرشید اور اس کے بیٹوں تک رہا - اس کے بعد خلافت کا یہ مفہوم بھی جاتا رہا اور صرف اس کا نام باقی رہ گیا اور حکومت خالص ملوکیت بن گئی اور طاقت کا استعمال جو ملوکیت کا جزو ہے اپنے کو پہنچ گیا اور ذاتی اغراض کے لئے یعنی جبر ، نفسانی خواہشات ، ترغیبات اور لذات کی خاطر پوری طرح طاقت برتبی گئی ، (بنو امية میں) عبد الملک کی اولاد کے بعد اور بنو عباس میں ہارون الرشید کے بعد یہی کچھ ہوا ، ان پر خلافت کا نام صرف عصیت عرب کے معنوں میں چیلے رہا اور خلافت اور ملوکیت اکثر بیک دوسرے سے خلط کی جاتی رہیں - اس کے بعد عصیت عرب اور عربوں کی قوم کے زوال کی

وجہ سے خلافت کا نام و نشان اور اثر مک بھی مت گیا ، عربوں کے حالات بگو
گئے اور حکومت بس خالص ملوکیت رہ گئی جس طرح مشرق میں ملوكِ محمد
حال تھا کہ لوگ خلیفہ کی اطاعت محسن ترک کے طور پر کرتے تھے لیکن وہ خود
تمام شان و شوکت اور القاب سمیت حکومت کے مالک تھے ، درآنجائیکہ خلیفہ
کے پاس اس میں سے کچھ بھی نہ تھا ”۔ (۱۸)

(۱۸) جب وہ لوگ خلیفہ کو پوری طاقت کا حامل بتاتے ہیں ، اس کو بلند
مقام بخشتے ہیں اور ہر طاقت اس کے لئے مخصوص کرتے ہیں تو ان کے لئے
ہمیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس قوت و اختیار کا سرچشمہ کیا ہے جبے وہ گمان
کرتے ہیں کہ خلیفہ کے پاس ہے یہ قوت اسے کہاں سے ملی ؟ کس نے اسے
بخشنی اور تفویض کی ؟

لیکن وہ اس بحث سے بعینہ اسی طرح گریز کرتے ہیں جس طرح وہ ان
سب معاملات سے کرتے ہیں جو خلافت کے منصب کے متعلق ذرا سی بحث
بھی چاہتے ہوں اور جن پر کچھ سوچتا اور غور کرنا پڑتا ہو ۔ مگر وہ شخص جو ان
لوگوں کی رائے معلوم کرنا چاہے جو اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں ممکن ہے
اس نتیجہ پر بخپنچے کہ اس بارے میں مسلمانوں کی دورائیں ہیں ۔

(۱۹) مہلی رائے یہ ہے کہ خلیفہ کو خدا سے قوت اور طاقت ملتی ہے اور
وہ اسی کے سامنے جواب دہے ، یہ رائے ایسی ہے کہ اس کی روح عام علماء
اور مسلمانوں میں جاری و ساری ہے ۔ ان کی ساری گفتگو اور بحث اسی پر
مرکوز اور اسی عقیدے کی طرف رہمناگزی کرتی ہے ، میں نے پہلے (۱۸) اسی بات
کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے خلیفہ کو خدا کا سایہ بنادیا اور یہ کہ ابو تھغیر منصور
کا گمان یہ تھا کہ وہ خدا کی زمین میں اس کی طرف سے حاکم ہے ، اسی طرز
قرон اوپری ہی سے علماء اور شرفا میں یہ رائے پھیل گئی تھی اور ان کے

مباحث میں بھی یہی بات نظر آتی ہے کہ اللہ ہی خلیفہ کو منتخب کرتا ہے اور اس کی طرف خلافت "نازل کرتا ہے " مثلاً۔
ایک شاعر (۱۹) کہتا ہے :

جاء الخلافة وكانت لقدر أ

كما اتى رب موسى على قدر

(وہ خلافت کے پاس آیا یا وہ خود بھی اس کے لئے مقرر تھی جس طرح موسی اپنے رب کے پاس تقدیر کے مطابق آئے)
ایک اور نے کہا ہے :

ولقد اراد اللہ اذولاکها

من امتہ اصلاحاً حھا ورشاداً ها

(اور خدا کا مقصد ، جب اس نے تمہیں اس قوم کا حکمران بنایا یہ تھا کہ تمہاری وجہ سے ان کی اصلاح ہو اور تم ان کی بدایت کا سبب (بنو) فرزدق کہتا ہے (۲۰))

۱- بیشام (۲۱) خیار اللہ للناس والذی

بے ينجلی عن کل ارض ظلا مها

(بیشام ! تم لوگوں کے لئے خدا کا بہترین انتخاب ہو اور تمہیں وہ ہو جس کے ذریعے دنیا کی تاریکی دور ہو گی) -

۲- وانت لھذ الناس بعد نبیهم

سماء برجی للمحول غمامها

(اور نبی کے بعد تم ان لوگوں کے سے آسمان کی طرح ہو جس کے بادلوں کی قتل سال میں تمباکی جاتی ہے) -

یہ رائے یقینی طور پر لوگوں کی زبان پر تھی جس سے یہ ہوا کہ شرعاً خلنا کو خداوندی عمت یا اس کے قریب کا رتبہ بخشنے میں مبالغہ کرنے لگے۔
سہیاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا:

ماشنت لاما شانت القدر

فاحکمر فانت الواحد القهار

(جو تم چاہو گے (ہوگا) نہ کہ وہ جو قضا۔ وقدر چاہیں، اس لئے حکومت کرو
کیونکہ تم ہی واحد اور قہار ہو)

اور طریق (۲۲) ولید بن یزید (۲۳) کی مدح میں کہتا ہے:

۱- انت ابن مسلم نظر الطجاج ولم

تطرق عليك الحنى والولج

(تم وہ ہو جس کا مسکن کشادہ میدان ہیں، اور نسبی زیشیں اور وادیاں تم پر
نہ چھا سکیں)

۲- طوبی لفر عیک من هناؤ هنا

طوبی لاعراقک التی تشجع

(تمہاری شاضیں (آبا و اجداد) شاد کام ہوں اور تمہاری جڑیں (رشتہ دار) بھی جو
پختہ اور مضبوط ہیں)

۳- کو قلت للسیل دع طریق ک

والموج علیہ كالهضب یعتلچ

(اگر کبھی تم سیلاب سے، جس کی موجیں چنانوں کی طرح بلند ہو رہی ہوں،
کہو کہ اپنا راستہ بدل لو.....

۴- لساخ وارتدا ولکان لـ

فی سائر الارض عنك من هرج

(... تو وہ کم نہ ہو جائے گا اور بھیچے ہٹ جائے گا یا ساری دنیا میں تم سے بچتا پھرے گا)

اگر آپ مختلف علماء کی تائیفات پر غور کریں (خاص طور پر پانچویں صدی ہجری کے بعد) تو آپ کو نظر آئے گا کہ وہ جب کبھی بھی اپنی تصنیفات کے دیباچوں میں کسی بادشاہ یا سلطان کا ذکر کرتے ہیں تو اسے انسانوں کی صف ہی سے بلند کر دیتے ہیں اور اسے ربانی مقام عزت سے قریب تر ہونچا دیتے ہیں - اس کی مثال نجم الدین التزوینی (۲۲) کے الرسالت الشمسیۃ فی القواعد المنطقیہ میں مل سکتی ہے جہاں وہ کہتا ہے :

" وہ جو عنایات خداوندی سے سرفراز ہے اور جو تمام امتوں میں خدا ہی کی حمایت کے سبب بلند ہے ، دوست اور دشمن فرمان شعار اور نافرمان اسی کا سہارا لیتھے ہیں اور اسی کی تقلید سے فروغ پاتے ہیں " اس رسالے کے شارح قطب الدین ارزازی (۲۵) نے لکھا ہے -

" میں نے (اس شرح کے ذیلیے) اس عالی حضرت کی خدمت کی ہے جبے خداوند تعالیٰ نے اپنی تائید اور لوگوں کی زعامت کے لئے مخصوص کیا ہے - وہ جس کی تابناک پیشانی سے ابدی مسرت کا نور ہویدا ہے اور جس کی ہمت عالی سے دائیٰ قیادت کی مہک آتی ہے اور جو دین کے ننگ و ناموس ملک و ملت اور مذہب کا پاسبان ہے جو مسلمانوں کا قائد اور ان کا رہمنا ہے "

عبد الحکیم سیاکونی ۱۲۰ اس شرح کے حاشیے پر لکھتے ہیں :

" یہ (کتاب) میں نے اس گرامی قدر کی خدمت میں نذر کی ہے جبے خدا کی خصوصی تائید حاصل ہے اور جبے دائیٰ ریاست میر ہے جو شریعت مقدسہ کے اصولوں کا قیم ، اس دنیا میں ظل اللہ ،

اسلام اور مسلمانوں کا نجات و ہندرہ ، خدا کی زمین پر رحمتیں نازل کرنے والا ، نائب رسول اللہ اور جو خداوندی فتح و نصرت سے ممکن ہے

الغرض یہ قول مسلمانوں میں عام ہے اور سب کی زبان پر جاری ہے کہ خلیفہ کو خدا سے حکومت حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی کو جواب دہ ہے ۔
 (۱۶) دوسری رائے جس پر اکثر علماء نے بحث و مباحثہ کیا ہے یہ ہے کہ خلیفہ کو حکومت صرف امت کی طرف سے حاصل ہوتی ہے اور وہ انہیں کو جواب دہ ہے ، وہی اس کی طاقت کا سرچشمہ ہیں اور وہی اس مقام کے لئے منتخب کرتے ہیں ۔

شاید حطیۃ (۲۰) نے حضرت عمر بن خطاب سے مخاطب ہو کر اسی معنی میں کہا ہے :

۱- انت الامام الذى من بعد صاحبہ

القى اليك مقاليد النبى البشر

(تم ہی وہ سردار ہو جبے لوگوں نے اس (نبی) کے دوست (ابو بکر) کے بعد زمام عقل و دانش سپرد کی ہے)

۲- لم يبو ثروك بها اذقد موک لها

لكن لانفسهم كانت بك الاثر

(انہوں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا جب انہوں نے تمہیں اس کے لئے منتخب کیا بلکہ یہ احسان تو ان کا خود اپنے اوپر ہے)

ہم نے یہ رائے علامہ کامرانی (۲۸) کی کتاب "البدائع" میں صریح طور پر پائی ہے ، وہ کہتے ہیں (۲۹) :

جو حیثیت و کیل کی وکالت میں ہے وہی قاضی کی قضا میں ہے

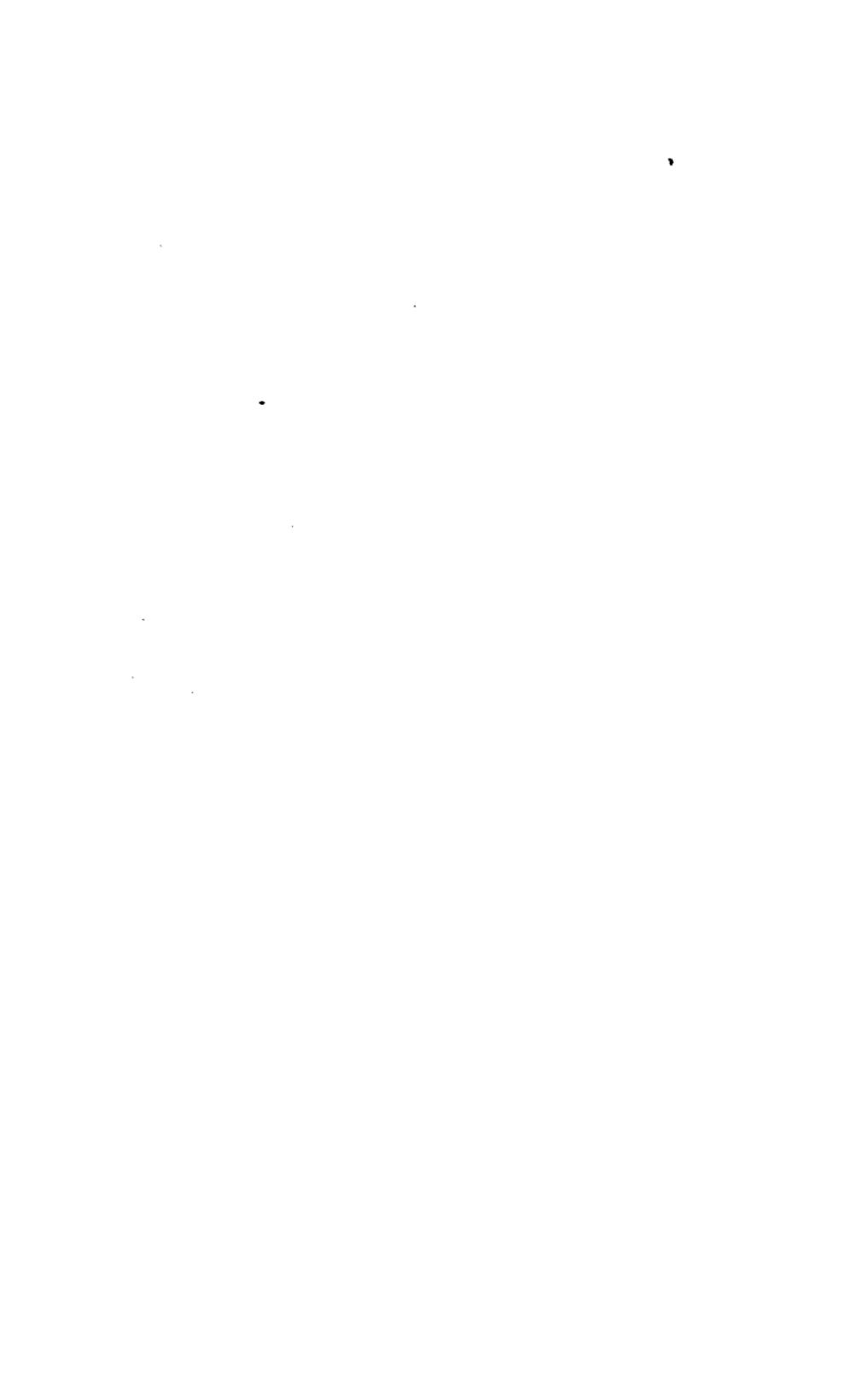
دونوں میں اس کے سوا کچھ فرق نہیں کہ موکل جب مر جائے یادست بردار ہو جائے تو وکیل خود بخود معزول ہو جاتا ہے ، اور خلیفہ جب مر جائے یا دست بردار ہو جائے تو اس کے قاضی اور حاکم معزول نہیں ہوتے ، اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ وکیل یا تو موکل کی اجازت سے یا اس کے خالص حق سے اختیار حاصل کرتا ہے ، اگر اس اجازت اور ولایت کی اہلیت ہی باطل ہو جائے تو وکیل بھی معزول ہو جائے گا - لیکن قاضی خلیفہ کی ولایت اور حق سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی ولایت اور حق سے کام کرتا ہے - خلیفہ ان کے نزدیک ان کے نمائندے کی حیثیت رکھتا ہے - اس لئے اسے تمام معاملات (مثلاً نکاح کی وکالت ، وغیرہ) کا اختیار حاصل نہیں - اگر وہ نمائندہ ہے تو اس کا عمل عامۃ المسلمين کا عمل ہو گا اسی لئے لوگوں کی ولایت خلیفہ کی موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور قاضی اس ولایت پر قائم رہتا ہے - یہ معزولی کے بر عکس ہے کیونکہ خلیفہ جب کسی قاضی یا والی کو معزول کرتا ہے تو وہ اس کے حکم سے معزول ہوتا ہے - لیکن اس کی موت سے معزول نہیں ہوتا - لیکن درحقیقت وہ خلیفہ کے معزول کرنے سے معزول نہیں ہوتا بلکہ لوگ اسے معزول کرتے ہیں کیونکہ خلیفہ کو اقتدار اور اختیار عوام کی طرف سے حاصل ہے اور انہوں نے اسے (عہدہ داروں کو) معزول کرنے کا حق دیا ہے ، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی فلاح و ہبود اس پر مبنی ہے ، لوگوں کی طرف سے اسے جو ولایت اور نمائندگی حاصل ہے اس میں معزول کرنے کا حق شامل ہے ، معزولی اور موت میں تباہی فرق ہے "

اس بارے میں جو بہترین رائے ہمیں ملی ہے وہ "رسالتہ الخلافۃ"

و سلطنت الامم (خلافت اور امت کے اقتدار پر رسالہ) جسے حکومت مجلس کبیر وطنی، انقرہ نے شائع کیا اور عبد الغنی سنی بک نے ترکی سے عربی میں ترجمہ کیا، اور جو مطبعہ ہلال مصر سے ۱۳۲۲ھ (۱۹۲۳ء) کو شائع ہوا۔

(ii) خلیفہ کے اقتدار کے منع کے بارے میں مسلمانوں کے اس اختلاف کی طرح یورپ میں بھی اختلاف ظاہر ہو چکا ہے اور اس کا اثر تاریخ یورپ کی تدوین اور توسعہ و اشاعت پر بہت زیادہ پڑا ہے۔ جہاں تک پہلی رائے کا تعلق ہے اس کے بارے میں HOBSES (۳۰) نے لکھا ہے کہ بادشاہوں کا اقتدار مقدس ہے اور ان کا (حکومت کرنے کا) حق سماوی ہے، دوسری رائے کا حامی JONN LOCKE (۳۱) ہے۔ جس نے اس پر اپنے خیالات کا کافی اظہار کیا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ جو کچھ پہلے گزر چکا ہے وہ خلافت کے مفہوم کی تشریع کے لئے کافی ہو گا، یعنی یہ کہ علماء مسلمین کے نزدیک خلافت کے معنی یہ ہیں: ” یہ دینی اور دنیاوی امور میں ریاست عامہ ہے اور وہ شخص جو اس کا حامل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے ”۔ (۳۲)



دوسرा باب

خلافت کی قانونی حیثیت

(۱) خلیفہ کے تقرر کو واجب بات نے دالے ۲۔ اس کے مخالف
 ۳۔ واجب بات نے والوں کے دلائل ۴۔ قرآن اور خلافت
 ۵۔ بعض آیات کے شہبہ کا ازالہ ۶۔ سنت اور خلافت
 ۷۔ جو لوگ سنت سے دلیل لاتے ہیں ان کے شہبہ کا ازالہ
 (۸)

(۱) مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق خلیفہ کا تقرر ضروری ہے ، اگر
 مسلمان اس سے غافل ہوں گے تو گنہگار ہوں گے - ان میں استا اخلاف ضرور
 ہے کہ یہ تقرر عقلی طور پر واجب ہے یا شرعی طور پر یہ اخلاف ایسا ہے کہ
 یہاں ہمیں اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں - لیکن وہ سب اس بات پر
 متفق ہیں کہ یہ تقرر بہر حال ضروری ہے - ابن خلدون کو تو یہاں تک شک
 پیدا ہو گیا تھا کہ یہ وجوب اجماع امت کی طرف سے ہے -

(۲) اس نے کہا ہے (۱) : "بعض لوگ اس بات کے حامی ہیں کہ خلیفہ
 کا تقرر مطلقاً واجب نہیں ، ان کے خیال میں یہ نہ تو عقلی طور پر واجب ہے نہ
 شرعی لحاظ سے معززہ میں سے اصم (۲) - اور خارجیوں میں سے کچھ اس خیال
 کے حامی ہیں (۳) ان سب کے نزدیک سب سے ضروری بات احکام شریعت کا
 نفاذ ہے اور اگر امت متفقة طور پر عدل اور اللہ کے احکام کے نفاذ پر عمل

کرے تو امام کی ضرورت نہیں اور نہ اس کا تقرر واجب ہے لیکن متفقہ اجماع امت ان کے دلائل کے خلاف بحث اور ثبوت ہے :

(۳) خلیفہ کے تقرر کو واجب بتانے والوں کے دلائل یہ ہیں :

اول : صحابہ اور تابعین کا اجماع "کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آپ کے صحابہ نے فوراً حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی اور اپنے امور میں انہیں کامل اختیار دیا اور اسی طرح اس کے بعد ہر زمانے میں ہوتا رہا لوگ کبھی بھی نزاج اور لا قانونی کی حالت میں نہ رہے - یہ عمل اجماع سے ثابت ہو چکا ہے جو امام کے تقرر کے وجوب پر دلالت کرتا ہے : (۴)

دوم : یہ کہ امام کے تقرر پر "شعار" دینی کا قیام و عمل ، اور رعیت کی بہبود موقوف ہیں اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متادف ہے یہ دونوں بلاشبہ فرض ہیں امام کے تقرر کے بغیر ان کا مستقبل قیام ممکن نہیں اگر کوئی شخص ان کا ذمہ دار نہ ہو گا تو رعیت کے امور کا انتظام نہ ہو سکے گا اور خلوص و محبت کی جگہ قتل و غارت لے لیں گے ظلم کی کثرت ہو گی اور فتنہ و فساد عام ہو گا - ستازعات کا فیصلہ نہیں ہو سکے گا جو معاشرہ انسان کی ضرورتوں میں سے ایک اہم ضرورت ہے ، جو کچھ اس اہم فرض پر مبنی ہو گا وہ بھی فرض ہو گا تو گویا امام کا تقرر بھی اس لحاظ سے فرض ہو گا امر و نہی کا امام کے تقرر پر مخصر ہونے کا مطلب دراصل وہ چھ بنیادی حقوق (کلیے) ہیں جن کی نگہبانی زجر و توبیخ ، تعزیر اور شارح کی مقرر کردہ سزاوں ہی سے ہو سکتی ہے نہ کہ اس کے بغیر ، یہ چھ حقوق : حفاظت دین ، حفاظت نفس ، حفاظت عقل ، حفاظت نسب ، حفاظت مال اور حفاظت آبرو ہیں " - (۵)

(۶) ہم نے ان تمام علماء کے مباحث میں ، جو یہ گمان کرتے ہیں کہ امام کا تقرر فرض ہے ایک مبحث بھی ایسا نہیں پایا جس میں قرآن کی کسی

آیت سے اس کی فرضیت پر دلیل پیش کی گئی ہو، مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر قرآن میں ایک دلیل بھی اس کے موافق ہوتی تو یہ علماء بیانگ دل اس کا اعلان کرتے اور اس کی تشهیر میں ذہ بھر پس و پیش نہ کرتے صرف یہی نہیں بلکہ اگر انہیں قرآن سے امامت کی فرضیت کے بارے میں دلیل کا کوئی شناسہ بھی مل جاتا تو خلافت کے ان خود ساختہ حامیوں میں سے (جو بے شمار ہیں) کوئی نہ کوئی ایسا بھی نکل آتا جو دلیل کے اس شناسے ہی کو دلیل بنایتا، لیکن علماء منصفین اور متکلفین دونوں اس بات سے عاجز رہے کہ وہ اپنی رائے کی موافقت میں کوئی دلیل قرآن سے پیش کر سکتے، چنانچہ انہوں نے کبھی تو اجماع اور کبھی منطق کے قیاسات اور احکام عقل کی آڑی اور قرآن کو چھوڑ دیا۔

(۵) قرآن کی چند آیات ایسی ہیں جن کے معانی کی حقیقت بیان کرنا ہم یہاں ضروری سمجھتے ہیں تاکہ یہ خیال پیدا نہ ہو کہ وہ امامت کے کسی ہہلو سے کسی طرح متعلق ہیں - قرآن میں آیا ہے : یا ایها الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (۲: ۶۲) " اے ایمان والو ! نہدا اس کے رسول اور لپٹنے میں سے حاکموں کی اطاعت کرو ") اور " ولو ردوه الی الرسول و الی اولی الامر منهم لعلم الذين یستنبطونہ منهم " لخ (اور اگر وہ اے لپٹنے رسول کی طرف اور ان کی طرف جو ان میں سے حاکم ہیں ، لوٹائیں تو جن لوگوں کو معلوم کرنے کی خواہش ہو وہ ان سے جان لیں گے) لیکن ہمیں ایک شخص بھی ایسا نظر نہ آیا جو ان آیات سے کوئی دلیل پیش کر سکتا اور نہ ایسا جوان پر انحصر کرنے کی کوشش کرتا اس لئے ہم بے کار بحث و مباحثہ سے دامن بچاتے ہوئے لپٹنے کلام کو طول دینا نہیں چلہتے ، جہاں مدققاً ہی نہ ہو وہاں جگ

جاری رکھنے سے فائدہ ؟

یہ بات غور طلب ہے کہ مفسرین نے پہلی آیت میں اولی الامر کی ہمیشہ یہ تفسیر کی ہے (۶) - ان سے مراد رسول کریمؐ کے عہد کے اور بعد کے امرا مسلمین ہیں اور اس میں خلفاء، قاضی اور سپہ سالار وغیرہ شامل ہیں ۔ ۔ ۔ بعض خداوند تعالیٰ کے اس قول کے مطابق "ولورد وہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلم الدین یستنبطونہ منہم" ۔ علمائے شریعت کو بھی اس میں شمار کرتے ہیں ۔

دوسری آیت میں جہاں "اولی الامر" کا ذکر آیا ہے اس سے "تم امور کی بصیرت رکھنے والے صحابہ کبار، یا جوان میں سے مامور ہوتے تھے" (۷) مراد ہے، کچھ بھی ہو بات صرف یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جوان کے (قول کے مطابق) خلافت پر دلیل بن سکے ۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں آیتوں کا قریب ترین مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا ہونا چاہیئے جس کی طرف تمام امور رجوع ہوں، اور یہ مفہوم اس خلافت سے جس کا ذکر یہ لوگ بار بار کرتے ہیں، زیادہ دسیع اور زیادہ عام ہے، بلکہ یہ تو اس کے مخالف ہے اور کسی طرح بھی اس کے موافق نہیں ۔

اگر اس سلسلے میں کسی کو زیادہ چنان بین کرنی ہو تو اسے سرناہ مس آرنلڈ کی کتاب "خلافت" دیکھنی چاہیئے (۸) اس کتاب کے دوسرے اور تیسرا باب میں اس کا مفصل اور مکمل بیان موجود ہے ۔

ہم اسے "المواقف" کا بیان بھی نقل کرنا چاہتے ہیں ۔ امام تقریر کی فرضیت کو ثابت کرنے کے لئے اجماع سے دلیل لانے کے بعد اس نے کہا ہے (۹) :

"اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اجماع کی حمایت میں کوئی جواز ہونا چاہیے، اور یہ کہ اگر کوئی جواز یا سند ہوتی تو اجماع خدت احتیاج کے پیش نظر تو اتر کے ساتھ ہم تک بہنچتا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس تو اتر کو اجماع نے ختم کر دیا اس لئے اب وہ ضرورت نہیں رہی یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی سند ایسی تھی جو تو اتر کے قابل نہ تھی۔ کیونکہ یہ ایسے امور پر مشتمل تھی جو حالات پر مبنی ہیں اور جو ان لوگوں کے قول و مشاہدہ کے بغیر جو آنحضرت کے عهد مبارک میں تھے جانی نہیں جا سکتی۔"

اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجماع ایسا ہے جو مستند نہیں، اگر قرآن میں اسے مستند ثابت کرنے کے لئے کوئی آیت ہوتی تو صاحب "موافقت" کو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی،

لکھنی عجیب بات ہے، قرآن کو سورہ "الفاتحہ" سے لے کر "والناس" تک پڑھ جلیسے اس میں آپ کو دین کے متعلق ہر تفصیل اور ہر رہنمائی ملے گی، جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ "ما فر طنا فی الكتاب من شیء" (ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز بیان کئے بغیر نہیں چھوڑی۔ انعام ۶) لیکن اس میں امامت عامہ یا خلافت کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ملے گا لیکن اس میں تبدیلی کی گنجائش ہے اور اس پر بحث کی جا سکتی ہے۔

(۶) صرف قرآن ہی نہیں جس نے خلافت کے مسئلے سے چشم پوشی کی ہے اور اسے بیان نہیں کیا، بلکہ سنت بھی قرآن ہی کی طرح ہے، دہاں بھی کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ اس پر کوئی بحث موجود ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ علماء نے حدیث سے کوئی استدلال نہیں کیا۔ اگر انہیں کوئی حدیث مل جاتی تو وہ لیقیناً اجماع کے لئے اسے ثبوت کے طور پر پیش کرتے اور

صاحب "المواقف" ہرگز یہ نہ کہتا کہ یہ اجماع ایسا ہے جس کی کوئی سند نہیں -

(۱) محمد رشید رضا (۱۰) چاہتے ہیں کہ وہ سنت سے وجوب خلافت کی کوئی دلیل پیش کریں - انہوں نے سعد الدین تفتازانی (۱۱) کی کتاب "المقصاد" سے نقل کر کے امامت کی فرضیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان دلائل میں قرآن یا سنت رسول سے کوئی استناد نہیں، چنانچہ رشید رضا، سعد الدین پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اس نے اور اس جیسے اور لوگوں نے احادیث صحیحہ سے امام کا تقرر ثابت کرنے میں غفلت برتنی ہے جو جماعت مسلمین کو امام کا پابند بنانے کے لئے وارد ہوئی ہیں، بعض احادیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ جو شخص بیت کئے بغیر مر جائے اس نے گویا جاہلیت کی موت پائی حذیۃ سے یہ حدیث مروی ہے (متقق علیہ) کہ آپ نے فرمایا: "جماعت مسلمین اور ان کا امام اکٹھے رہیں گے" - (۱۲)

اس سے پیشتر کہ ہم اس اعتراض پر بحث کریں ہم اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ان کا قول ایک لحاظ سے ہماری تائید کرتا ہے کہ علماء نے اس بارے میں حدیث سے کوئی استدلال نہیں کیا، رشید رضا جس چیز سے حجت لانا چاہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں - ان سے پہلے ابن حزم الظاہری (۱۳) بھی یہی کہہ چکے ہیں، بلکہ ان کا گمان ہے کہ:

قرآن اور سنت دونوں میں امام کے وجوب کے بارے میں وارد ہو چکا ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے: اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (۲: ۶۶) اس کے علاوہ بہت سی صحیح احادیث بھی موجود ہیں جن میں ائمہ کی اطاعت اور امامت کی فرضیت موجود ہے" - (۱۴)

اگر ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائے جن سے وہ استناد کرتے ہیں تو امامت ، بیعت یا جماعت وغیرہ کے ذکر کے سوا کچھ نہیں ملے گا ۔ مثلاً احادیث میں آیا ہے : الانہ من قریش (سردار قریش میں سے ہیں) تلزم جماعتہ المسلمين واما مها (مسلمانوں کی جماعت اور ان کا امام ساتھ رہیں گے) من مات ولیس فی عنق بیعته فقد مات میتہ جاہلیہ (جو شخص بیعت کئے بغیر مر جائے گو یا وہ جاہلیت کی موت (مرا) من بایع اماماً فاعطاً صفتہ یده ثُمَرَه قلبَه فليطع ان استطاع ، فان جاء استطاع ، فان جاء اخرینا زعْ فاضر بوا عنق الآخر (۱۵) (جس نے امام کے ہاتھ پر خلوص نیت سے بیعت کی تو اسے چاہیئے کہ اس کی اطاعت کرے پھر اگر کوئی دوسرا اس کے مخالف پیدا ہو جائے تو اس کی گردن مارو ، اقتد وا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (ان کی پیروی کرو ، جو میرے بعد ہیں یعنی ابو بکر اور عمر) (۱۶) وغیرہ وغیرہ ، ان حدیثوں میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جو اس قول کی تصدیق کرے کہ شریعت نے خلافت یا امامت عظیٰ کے وجود کا اعتراف کیا ہے یعنی اس معنی میں کہ خلافت آنحضرت کی نیابت اور مسلمانوں کی نمائندگی ہے ۔

ہم نہیں چاہتے کہ ان احادیث کی صحت کے بارے میں ، جو وہ اس موضوع پر پیش کرتے ہیں بحث کی جائے ۔ اگرچہ اس پر بحث کرنے کے لئے بڑا وسیع میدان موجود ہے ، لیکن اس مناقشے سے ہم یہ فرض کرتے ہوئے دست بردار ہوئے جاتے ہیں کہ تمام حدیثیں صحیح ہیں ، اس لئے ہم شارع کے استعمال کردہ کلمات مثلاً امامت ، بیعت اور جماعت وغیرہ کے معانی پر بحث نہیں کریں گے ، اگرچہ یہ بحث بر محل ہوتی تاکہ وہ لوگ کم از کم یہ جان لیتے کہ شریعت کی اصطلاح میں یہ عبارات اور امثال ہرگز وہ معنی نہیں رکھتیں جو

معنی وہ لباجاد کرتے ہیں اور جن کے بارے میں ان کا دعوے ہے کہ اسلام کی لفظ ان کے خیالات سے متفق ہے ۔

ہم بحث کے ان تمام ہبھلوؤں سے گریز کرتے ہیں اور مانے لیتے ہیں کہ سب احادیث صحیح ہیں، ہم یہ بھی تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ائمہ، اولی الامر وغیرہ جب شریعت کی اصطلاح میں وارد ہوتے ہیں تو ان سے اہل خلافت و امامت عظیمی ہی مراد ہیں اور یہ کہ بیعت کے معنی بیعت خلیفہ ہی ہیں اور جماعت مسلمین کا مطلب حکومت خلافت اسلامیہ ہے ۔ ہم یہ سب فرض کئے لیتے ہیں اور ہر طرح کی رعایت بستنے کو تیار ہیں لیکن اس کے باوجود ان احادیث میں ان لوگوں کی موافقت میں ایک بھی دلیل نہیں ملتی جو خلافت کو شرعی عقیدہ اور احکام دین میں سے ایک حکم تصور کرتے ہیں ۔

حضرت عیسیٰ بن مریم نے قیصری حکومت کے بارے میں فرمایا کہ جو کچھ قیصر سے متعلق ہو وہ قیصر کو دے دو لیکن حضرت عیسیٰ کی طرف سے یہ اس بات کا اعتراف نہ تھا کہ قیصریت خدا کی شریعت کا جزو ہے اور نہ عیسیائیت اسے مانتنے پر تیار ہے، جو شخص کہ لغات انسانی سے واقف ہو اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ کی اس بات کو لپٹنے لئے دلیل سمجھ لے (اور اس طرح قیصریت کو قائم رکھنے کا جواز ڈھونڈنے) اسی طرح احادیث نبوی میں امامت، خلافت، بیعت وغیرہ کا جو ذکر آیا ہے اس کی حیثیت بھی وہی ہے جو حضرت عیسیٰ کے اس قول کی ہے جس میں انہوں نے قیصر کی حکومت سے متعلق بعض احکام شرعی بیان کئے، اس سے زیادہ یہ احادیث کسی اور بات پر دلالت نہیں کرتیں ۔

اگر یہ صحیح ہے کہ آنحضرت نے ہمیں اس نام کی ایاعت کا حکم دیا ہے جس کی ہم نے بیعت کی ہو تو اسی طرح خدا نے ہمیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ

اگر ہم کسی مشرک سے کوئی عہد کریں تو اسے پورا کریں اور اسے اس وقت تک درست سمجھیں جب تک کہ وہ ہمیں سمجھتا ہو، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا شرک پر راضی ہے اور نہ مشرکین سے وفاۓ عہد کا خداوندی حکم یہ معنی رکھتا ہے کہ ان کے شرک کو مان لیا جائے۔

کیا شرعی لحاظ سے ہم باغیوں یا گھنگاروں کی اطاعت کے پابند نہیں ہیں؟ کیا ہمارا فرض نہیں کہ جب وہ ہم پر غالب آجائیں تو ہم ان کا حکم منیں اور ان کی اطاعت کریں جب ان کی مخالفت میں فتنہ و فساد کا خطرہ ہو؟ لیکن یہ حکم اس بات کو ظاہر نہیں کرتا کہ بغاوت مژدوع اور جائز ہے، اور نہ اس سے حکومت کے خلاف بغاوت کا جواز نکلتا ہے۔

کیا شریعت نے ہمیں گداگروں سے تحمل برتنے اور فقراء کا احترام کرنے ان پر احسان اور ہمدردی کرنے کا حکم نہیں دیا؟ کیا کوئی ذی ہوش یہ کہہ سکتا ہے کہ اس سے یہ شرعی فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم لپنے درمیان فقراء اور مساکین کو ضرور قائم رکھیں؟

خدا نے غلامی کا ذکر بھی کیا ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم غلاموں کو آزاد کریں اور ان سے نیک سلوک کریں، ایسا حکم کئی دفعہ آیا ہے، اس سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ غلامی دین کا ایک رکن ہے اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک پسندیدہ شے ہے۔ اسی طرح خدا نے طلاق، قرض، خرید و فروخت اور رہن وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور اس کے لئے احکام مقرر کئے ہیں لیکن ان سے یہ تو ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ دین میں فرض ہیں، نہ اللہ کے نزدیک ان کا کوئی خاص مرتبہ ہے۔

اسی طرح جب نبی نے بیعت اور حکام اور حکومت کا ذکر کیا ہے اور ہمیں حکام کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اس بارے میں احکام وضع کئے ہیں تو تو

اس کی وجہ وہی ہے جو آپ اب جان اور سمجھ گئے ہیں ۔ اب اس کے بعد بھی وجوب شرعی کا دعویٰ ہے بہت بڑا دعویٰ ہے اور کوئی حدیث (اگرچہ وہ صحیح ہی ہو) اس دعویٰ کی حمایت میں درست نہیں ۔

تیسرا باب

خلافت، اجتماعیت کے نقطہ نظر سے

(خاتمہ بحث)

- ۱) اجماع کا دعویٰ ۲) اس پر بحث و تمجیس ۳) مسلمانوں میں علوم سیاست کا انحطاط ۴) علوم یونانی کی طرف مسلمانوں کا میلان ۵) مسلمانوں کا خلافت سے اخراج ۶) خلافت کا قوت و جبر پر اعتماد ۷) اسلام دین مساوات و عترت ہے ۸) خلافت ایک بلند مقام ہے اور اس کا مالک قوت سے اس پر قابض ہے ۹) خلافت اور ظلم و استبداد ۱۰) علمی اور سیاسی بیداری پر ملوکیت کا دباؤ ۱۱) دعویٰ اجماع سے انکار ۱۲) خلافت کے خلاف آخري دلائل ۱۳) کسی نہ کسی طرح کی حکومت ضروری ہے ۱۴) دین میں حکومت کا اعتراف ۱۵) حکومت، خلافت سے مختلف ہے ۱۶) دین اور دنیا کو خلافت کی حاجت نہیں ۱۷) اسلام میں خلافت کا خاتمہ ۱۸) مصر میں برائے نام خلافت ۱۹) نتیجہ)

(۱) قرآن و سنت کو پس پشت ڈالتے ہوئے خلافت کے حامیوں کا خیال

ہے کہ "ابتدائے اسلام میں نبی کی وفات کے بعد اجماع مسلمین کا تو اتر اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی عرصہ بھی امام کے بغیر نہیں گزرا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر نے اپنے مشہور خطبے میں آنحضرت کی وفات کے وقت کہا کہ "محمد کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس لئے دین کے لئے ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی شخص آپ کا قائم مقام ہو۔" سب نے فوراً ان کی بات مان لی اور سب سے اہم فرض یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ان کے سپرد کر دیا، اس کے بعد ہر زمانے میں ہمارے زمانے تک لوگوں کا یہی دستور رہا اور کوئی وقت قابل اطاعت امام کے تقرر کے بغیر نہیں گزرا۔ (۱)

۲۔ ہم اس بات کو تسلیم کئے لیتے ہیں کہ اجماع جلت شرعی ہے اور ہم اس کے مخالفین کے ہم نواز ہو کر اس کے خلاف کچھ نہیں کہتے (۲) اور ہم یہ بھی تسلیم کئے لیتے ہیں کہ اجماع بذات خود ممکن التثبوت ہے اور واقع ہو سکتا ہے (۳) ہم دوسروں کے ساتھ مل کر یہ بھی نہیں کہتے کہ "جو شخص اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے" (۴)۔ لیکن جہاں تک اس مسئلے میں اجماع کا تعلق ہے ہمارے لئے اس کا قبول کرنا کسی طرح بھی سہل نہیں، اور اگر ہم ان سے دلیل مانگیں کہ شاید اسی صورت میں وہ فائز المرام ہو جائیں تو یہ بات اور بھی محال ہو جاتی ہے۔ اس تجدید کے بعد ہم یہ ثابت کریں گے کہ دعویٰ اجماع نہ تو صحیح ہے اور نہ کبھی قبول کیا گیا ہے، اس لئے خواہ وہ یہ کہیں کہ یہ اجماع صرف صحابہ کا ہو، یا صحابہ اور تابعین کا یا علماء مسلمین کا، یا جملہ مسلمانوں کا، سب برابر ہے لیکن ہم فی الحال چند ابتدائی نظریات سے بحث کریں گے۔

۳۔ مسلمانوں کے علمی کارناموں کی تاریخ کے بغور مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں سیاسی علوم کی طرح دوسرے علوم کے مقابلے میں

بہت کم رغبت تھی اور اس کا وجود بھی بہت حد تک ناپید تھا۔ اسی لئے ہمیں ان میں ایک بھی سیاسی مصنف یا مترجم نظر نہیں آتا اور نہ ہمیں ان میں نظام حکومت یا اصول سیاست پر کوئی بحث دکھانی دیتی ہے۔ بجز محدودے چند، جن کا غیر سیاسی علوم و فنون کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں، اس حقیقت کے باوجود یہ صحیح ہے کہ ان کے پاس ایسے موقع بکثرت تھے جو انہیں علوم سیاست کی بسط تحقیق پر آمادہ کرتے، اور وہ اسباب ان کی لگابوں پر عیاں تھے جو انہیں ان علوم میں تعمق پر اکساتے۔

(۲) ان میں سے سب سے کم تر سبب تو یہ ہے کہ وہ اپنی فطری ذہانت اور علمی ذوق کے باوصف یونانی فلسفہ و علم کے شیدا تھے، کیونکہ یونانیوں کی تصانیف (جن کے تراجم اور درس و تدریس پر یہ لوگ ٹوٹ پڑے تھے) ان میں علم سیاست کا رجحان اور شغف پیدا کرنے کے لئے بہت کافی تھیں، یہ تو دراصل قدیم علم ہے اور قدیم فلاسفہ یونان ان میں اکثر مشغول رہے، اور اس علم کا فلسفہ یونان بلکہ حیات یونان میں بہت اہم مقام ہے۔

(۳) لیکن اس سے بھی زیادہ ایک اور اہم سبب موجود تھا۔ وہ یہ کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ سے لے کر آج تک اسلامی خلافت کا عہدہ ہمیشہ باغیوں اور مخالفوں کا ہدف رہا۔ اسلامی تاریخ کسی ایسے خلیفہ سے نا آشنا ہے جس کے خلاف بغاوت نہ ہوئی ہو اور نہ ہم کسی ایسے دور کو جانتے ہیں جس نے کبھی خلافت کے دعویداروں کے درمیان کشمکش کا منظر نہ دیکھا ہو، یہ درست ہے کہ ہر امت، ہر قوم اور ہر نسل میں بادشاہوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے لیکن ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کوئی قوم اس معاملے میں مسلمانوں سے مشابہ ہو گی، کیونکہ ان میں خلافت کی مخالفت خلافت کے ساتھ ہی پیدا ہوئی اور جب تک خلافت رہی، مخالفت بھی باقی رہی۔

اس تحریک مخالفت کی تاریخ بہت فضیم ہے اور لائق عبرت ہے ۔ یہ مخالفت بعض اوقات ایک بہت بڑی طاقت اور واضح نظام بن گئی جیسے کہ حضرت علیؓ کے عہد میں فرقہ خوارج کبھی یہ خفیہ طور پر جاری رہی جیسا کہ جماعت اتحاد و ترقی (فرقہ باطنیہ) بعض دفعہ یہ اتنی کمزور پڑ گئی کہ اس کا وجود بھی محسوس نہ ہوتا تھا ۔ اور کبھی اس قدر طاقت پکڑ جاتی کہ شاہوں کے تحفظ متزلزل ہونے لگتے کبھی یہ میدان عمل میں آجائی تھی اور کبھی مخفی دعوت علمی و دینی کے طور پر حالات زماں کے مطابق جاری رہتی، یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ ایسی تحریک کے حامی مسئلہ اقتدار اعلیٰ (حاکمیت) پر بحث کرتے، اس کے سرچشمہوں اور نظریات کا تجزیہ کرتے ۔ نظام حکومت اور اس کے متعلقہ کرتے خلافت پر اور ان بنیادوں پر جس پر یہ قائم ہے تنقید کرتے، اور اسی قسم کے اور مسائل جو علم سیاست سے متعلق ہیں بنظر غائر دیکھتے (ایک ایسا نہ ہوا) بلاشبہ عرب اس موضوع پر بحث کرنے اور اس کو اپنانے کے زیادہ سزاوار تھے ۔

(۶) لیکن کیا بات ہے کہ وہ اس علم کے مقابل حیران و پریشان کھڑے ہیں اور بحث کئے بغیر ستگ آگر جی چھوڑ لکے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے افلاطون کی "جمهوریت" (۵) اور ارسطو کی "سیاست" (۶) کا بغور مطالعہ نہیں کیا حالانکہ ارسطو انہیں اس قدر پسند آیا تھا کہ انہوں نے اسے "علم اول" کا نقب عطا کیا تھا؟ کیا سبب ہے کہ انہوں (علاما) نے مسلمانوں کو یونانیوں کی مبادیات سیاست اور انواع حکومت کی تفاصیل سے لा�علم اور جاہل رکھا؟ حالانکہ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں میں شامیوں کا علم خنو وغیرہ اور بیدباہندی کی کتاب "کلیدہ دمنہ" کا علم مقبول کیا تھا بلکہ انہوں نے تو یہاں سک کیا کہ یونانیوں کا فلسفہ خیر و شر اور ایمان و کفر بھی مسلمانوں کے علوم

دین میں شامل کر دیا۔

ہمارے علماء نے علوم سیاست میں انہماں کا اس وجہ سے ترک نہیں کیا تھا کہ وہ دوسرے علوم کی تحصیل میں مصروف تھے یا ان علوم کی قدر و قیمت سے غافل تھے، نہ اس وجہ سے کہ وہ ان علوم کے مرتبے سے ناواقف تھے۔ اس لاپرواٹی کا سبب وہ ہے جسے ہم اب بیان کریں گے۔

(۴) - مسلمانوں کے نزدیک خلافت کی اصل یہ ہے کہ "وہ اہل حل و عقد کے اختیار کی طرف راجع ہے۔" - (۴) یعنی امامت دراصل ایک معاهده ہے جو اہل حل و عقد اور اس کے درمیان جسے انہوں نے لوگوں کا امام منتخب کیا ہے بیعت سے طے پاتا ہے اور ایک دوسرے سے مشورہ کے بعد وقوع ہوتا ہے۔ (۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک خلافت بیعت اختیاری کی اساس پر قائم ہے اور مسلمانوں میں سے اہل حل و عقد کی رضا و غبت پر مبنی ہے یہ بات محقق نظر آتی ہے کہ دنیا میں اس نجح کی خلافت جو حامیان خلافت پیش کرتے ہیں قائم ہو جائے لیکن جب ہم حقیقت اور واقعات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی خلافت کا دار و مدار قوت و جبر کی اساس کے سوا اور کسی چیز پر نہیں، اور یہ قوت سوانی چند شاذ و نادر واقعات کے در حقیقت ٹھوس مسلح قوت تھی، اور خلیفہ کے عہدے کو نیزوں، تلواروں زرہ بند فوجوں اور قوت قاہرہ کے بغیر کوئی چیز قائم نہ رکھ سکتی تھی۔ اس کے سوا کسی اور چیز سے کام نہ چلتا تھا اور نہ خلیفہ کو اطمینان میر آتا تھا۔

ممکن ہے کوئی شخص یہ مانتے سے انکار کر دے کہ (مثال کے طور پر) خلفاء راشدین میں سے ہبھلے تین کی قدر و ممتازت کا انحصار مادی قوت پر تھا۔ اور یہ کہ ان کی حکومت کی بنیاد قوت و جبر پر تھی۔ لیکن کیا یہ مانتا مشکل ہے کہ علی یا معاویہ نے تنہ خلافت تلوار کے سامنے اور نیزے کی انی پر تعمیر کیا

تھا ؟ یہی حال ان کے بعد کے خلفاء کا ہے ، اور آج امیر المؤمنین محمد خامس سلطان ترکی بھی ایک لمحہ یلدز میں قیام نہیں کر سکتے اگر ان کے پاس وہ لشکر نہ ہوں جو ان کے محل کی حفاظت ، تخت کی پاسبانی کرتے اور ان کے دفاع کی خاطر جان دینے پر آمادہ ہیں - (۹)

ہمیں اس میں مطلق شک نہیں ہے کہ طاقت ہمیشہ خلافت کا ستون رہی ہے اور تاریخ میں کسی ایک خلیفہ کا بھی نام ایسا نہیں جو اپنی محافظ مسلح طاقت کے بغیر ہمارے ذہن میں آسکے ، یا اس قوت قاہرہ کے بغیر جو اس پر سایہ گلن تھی یا ان بے نیام تلواروں کے بغیر جو اس کی حفاظت کرتی تھیں ۔ اگر ہمیں بے معنی اعادے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم اپنے قارئین کے سامنے خلافت کا طویل سلسلہ اس حد تک پیش کرتے کہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس زنجیر کی ہر کڑی پر قوت و غلبے کی ہرگز ہوتی ہے ، ان پر واضح ہو جاتا کہ جس چیز کو وہ " تخت " کہتے ہیں وہ انسانی سروں پر استوار ہوا ہے اور انسانی گردنوں پر قائم ہے ، اور جسے وہ " تاج " کہتے ہیں اس کی بقا انسانی زندگی کی قربانی کے بغیر ممکن نہیں اور جب تک عوام کی طاقت سلب نہ کی جائے اس کی طاقت ممکن نہیں اور نہ یہ اس وقت تک معزز و مکرم ہے جب تک کہ لوگوں کی عرمت و تکریم ان سے چھین نہ لی جائے ۔ ۔ ۔ ۔ جیسے کہ رات ، اگر وہ طویل ہو جائے تو دن گھٹ کر مختصر رہ جاتا ہے ۔ اس " تاج " کی چمک دراصل تلواروں کی چمک اور جنگوں کے شعلے ہیں ۔

تاریخ کے بعض ادوار میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلح قوت جو خلافت کی بنیاد ہے شاید بظاہر اس حد تک موجود نہیں کہ لوگ اسے محوس کر سکیں لیکن ہم نے جو کچھ ہہلے کہا ہے ، اسے اس کا مستثنی نہ سمجھا جائے ، کیونکہ طاقت اور جبر بہر حال موجود تھے اور انہیں پر خلیفہ کا اقتدار قائم تھا البتہ اتنی بات

ضرور تھی کہ عدم ضرورت کے باعث اس کو استعمال میں لائے عرصہ گزر چکا تھا، جب وہ دیر تک لوگوں کی نظروں سے او جمل رہی تو وہ اسے بھول گئے، اور کثر اوقات بعض کو یہ خیال ہونے لگا کہ اب وہ قوت باقی تھی نہیں رہی، لیکن اگر وہ در حقیقت فنا ہو جاتی تو بعد کے خلافاء کے عہد میں کبھی ظہور میں نہ آتی "حکومت غلبے اور جبر کے سوا کچھ بھی نہیں" (۱۰) اور بعضی انہی معنوں میں نوشیروان کا قول ہے کہ "حکومت فوج کا نام ہے" - اور اس طو سے منسوب ہے کہ "حکومت ایسا نظام ہے جس کی پشت پناہ فوج ہے" - (۱۱)

(۸) یہ بات قدرتی ہے کہ ہر قوم میں حکومت جبر و قوت پر استوار ہے "کیونکہ حکومت ایک بہت ہی لذیذ اور خونگوار منصب ہے جو تمام دنیاوی لذتوں اور جسمانی و نفسانی خواہشات پر مشتمل ہے اسی لئے غالباً اس کی خاطر نہنہ و فساد ہوتا ہے اور اسی لئے کسی نے بھی مغلوب و مفتوج ہوئے بغیر اپنے آپ کو دوسرے کے حوالے نہیں کیا" - (۱۲) اسی طرح امام اسلامیہ میں بھی یہ بات فطری ہے کہ ان میں بھی حکومت قوت و جبر کے بغیر قائم نہ ہوتی - اسلام وہ دین ہے جس نے اپنے پیروؤں کو اخوت و مساوات کی صرف تعلیم ہی نہیں وی اور انہیں صرف یہ تلقین ہی نہیں کی کہ "لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں" نہ صرف یہ کہا کہ جہارے مملوکہ غلام دین میں جہارے بھائی ہیں ، اور یہ کہ مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں ----- اسلام نے ان نظروں کی صرف تعلیم ہی نہیں دی ----- بلکہ اس نے مسلمانوں کو عمل پر ابھارا ہے اور اس کا پوری طرح پابند بنایا کہ مشق کرائی ہے ، اور ان کے لئے ایسے قوانین وضع کئے ہیں جو اخوت و مساوات پر مبنی ہیں ، ان کو مثالیں دے کر حادثات و واقعات سے رو شناس کرایا ہے ، انہوں نے اس اخوت کو آزمائ کر دیکھا اور اس مساوات کو اچھی طرح چھو کر دیکھا ہے - رسول

امین صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک لوگوں سے جدا نہ ہوئے جب تک کہ وہ دین اور اس مذہب سے اچھی طرح واقف نہ ہو گئے اور ان کے دلوں پر اس کا نقش قائم نہ ہو گیا، ابھی مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مسلمانوں میں سے ایک نے منبر پر ایسا دھن خلیفہ (۱۲) سے پکار کر کہا تھا: "اگر ہم نے تم میں کوئی بھی دیکھی تو ہم تمہیں تلوار سے سیدھا کریں گے!

ان مسلمانوں کے لئے جو حریت پر ایمان رکھتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے، اور جو رب العالمین کے علاوہ کسی کے سامنے گردن نہ جھکاتے تھے جس کا اقرار وہ پانچ وقت کی نمازوں میں کم از کم سترہ مرتبہ کرتے تھے ان مردان عز کے لئے یہ بات عین فطری اور ممکن تھی کہ وہ قوت اور تلوار کے استعمال کے بغیر اپنے ہی جسیے کسی اور شخص کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح نہ جھکاتے جس طرح کہ بادشاہ اپنی رعیت سے مطالبہ کرتے ہیں۔

اسی لئے ہم نے یہ کہا ہے کہ اسلام میں خلافت کی بنیاد قوت و جبرا کے علاوہ اور کوئی چیز نہ تھی۔ (کیونکہ اس کے بغیر عوام کو زیر نہ کیا جا سکتا تھا مترجم) یہ قوت شاید یہی سلسلہ مادی طاقت کے علاوہ کچھ اور تھی۔

ہمیں اس راز کو تمام و کمال معلوم کرنے سے غرض نہیں اگرچہ راز وہی ہے جسے ہم اور افشا کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اوقات دوسرے اسباب بھی پیدا ہو گئے جن کو ہم نے بیان نہیں کیا، لیکن اس وقت ہمیں جس چیز سے غرض ہے وہ یہ ہے جسے ہم پورے اعتماد سے کہنا چاہتے ہیں کہ خلافت کا طاقت پر دار و مدار ایک ایسی کھلی اور واضح حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں، ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ یہ واضح حقیقت احکام عقل پر بنی ہے یا نہیں، اور احکام دین کے موافق ہے یا نہیں خلافت کے قوت و جبرا

پر مبنی ہونے کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان طاقتوں کو ان لوگوں کے خلاف استعمال کیا جائے جو منصب خلافت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں یا اس کی اطاعت نہیں کرتے اور ان کے خلاف جو تخت خلافت کی بنائی چاہتے ہیں اور اس کے پایوں کو متزلزل کرنا چاہتے ہیں ، تلواروں کو بے نیام کیا جائے ۔

اس سلسلے میں یزید کی بیعت کے واقعے کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے ۔ جب بیعت کی محفل میں ایک مناسنده خطیب کی حیثیت سے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے کھدا ہوا تو اس نے اپنی تصریر میں چند مختصر جملے بکھر لیکن سمجھدار لوگوں کے لئے کار آمد باتیں کہیں ، اس نے معاویہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا : " یہ ہیں امیر المؤمنین " اور پھر یزید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا : " اگر کوئی اس سے بھی انکار کرے تو پھر یہ । " (۱۵)

(۹) - ہر وہ چیز جو تلوار کے زور سے حاصل کی جائے اور اسی سے اس کی حفاظت کی جائے دل کو بہت عزیز ہوتی ہے اس میں کوئی رور عایت ممکن نہیں اور نہ اس سے نیچے اتر کر کوئی کمتر چیز قبول کرنا ممکن ہوتا ہے ، سرداری اور حکومت کا عہدہ ہی اس کی بہترین مثال ہے اور وہ واقعی دل کو بہت عزیز ہوتا ہے ۔ (خواہ وہ تلوار کے استعمال کے بغیر حاصل ہو) اور جب وہ یوں حاصل ہو تو ظاہر ہے کہ روح کو اس سے کسی قدر واپسگی ہو گی اور اس کی حفاظت کس قدر ضروری ہو گی میہاں تک کہ اس کی فکر مال و آبرو سے زیادہ ہوتی ہے اور اس میں دلچسپی دنیا کی ہر نعمت اور راحت سے بڑھ کر ہوتی ہے ۔

(۱۰) - اگر اس دنیا میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جو انسان کو ظلم و استبداد پر اکساتی ہے اور دشمنی اور بغاوت کا راستہ کھول دیتی ہے تو وہ خلافت

کا عہدہ ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں ۔ اگر کوئی چیز دل کو پسند ہو اور وہ سب سے زیادہ مرغوب ہو اور پھر اس سے شدید محبت و میلان بھی ہو اور جس کی پشت پر قوت غالب ہو تو پھر طاقت کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا اور تلوار کے علاوہ کوئی حکم نہیں چلتا ۔

اس بات کو بھی جانے دیجئے جو ہم نے پیش کی ہے یہ تو محض قاعدے اور صرف نظریات ہیں ۔ ان تاریخی حقائق پر غور کیجئے جو لوح محفوظ پر نقش ہیں

کیا یزید بن معاویہ کو خلافت کی محبت ، اس میں رغبت اور قوت کی شدت کے علاوہ کسی اور بات نے حسین بن علی کا پاکیزہ خون بہانے کی اجازت دی تھی ؟ اور کیا یزید بن معاویہ ان عوامل کے سوا کسی اور بات سے اسلام کے ہمپلے دار الخلافہ پر قابض ہو سکتا تھا ہم تک کہ اس نے اس کی عرت و حرمت کو تباہ کیا ۔ حالانکہ وہ مدینہ نبوی تھا ؟ کیا عبد الملک بن مروان کو خلافت کی محبت کے سوا کسی اور بات نے بیت الحرام کو پامال کرنے کی اجازت دی تھی ؟ یہ محض اس لئے ہوا کہ وہ خلافت کا شیدائی تھا اور اس کے پاس طاقت کی کمی نہ تھی ۔ کیا ان اسباب کے علاوہ کسی اور سبب نے ابوالعباس عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس کو "سفاح" (خون ریز) بنایا تھا ۔ حالانکہ وہ خون مسلمانوں کا تھا اور بنو امیہ اس کی قوم ہی سے تھے ؟

اسی طرح بنو عباس ایک دوسرے کا گلا کاشتہ رہے اور ایک دوسرے سے برس پیکار رہے ، سبکنگین کی اولاد نے بھی یہی کیا ، نجم الدین صالح ایوبی نے اپنے بھائی ابو بکر عادل بن اکمل سے اسی غرض سے جنگ کی اسے معزول کیا اور پھر قید کیا مملوکوں (۱۶) اور چرکسیوں (۱۷) کی حکومت خلفاء کی معزولی

اور قتل سے بھری پڑی ہے اور یہ سب خلافت کی محبت اور اس سے والہاں شفیع کی وجہ سے تھا اس محبت اور شفیع کی پشت پر طاقت تھی۔ یہی واقعات بنو عثمان (۱۸) کو پیش آئے (۱۹)

(۱۱) - حکومت کی محبت حاکم کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اپنے تنخٹ کی حفاظت ہر اس بات سے کرے جو اس کی بنیاد کو ہلا دے یا اس کی حرمت کو کم کر دے یا اس کی تقدیس کو گھٹا دے۔ یہ عین فطرت ہے کہ جب حاکم ان پر فتح یاب ہو جائے جنہوں نے اس کی اطاعت سے انکار کیا ہو اور اس کے تنخٹ کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہو تو وہ وحشی، سفاک اور شیطان بن جائے اسی طرح یہ بھی فطری امر ہے کہ حاکم ہر اس بحث و تحقیق کا دشمن بن جائے جس کے بارے میں اسے یہ شک گز رے کہ وہ اس کے قواعد ملک کے منافی ہے (خواہ وہ بحث علمی ہی کیوں نہ ہو) یا اس سے اسے خطرے کی بو آئے درآں حالیکہ وہ اس سے بعید ہی کیوں نہ ہو۔

اسی لئے جب کبھی بھی موقعہ ملا، آزادی علم و افکار پر بادشاہوں کا نزلہ گرتا رہا ہے اور اسی لئے درستگاہیں ظلم و استبداد کا شکار رہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ علم سیاست حکومت کے لئے سب سے خطرناک علم ہے، کیونکہ یہ حکومت کی اقسام، ان کے خصائص اور ان کے نظام کو مفصل طور پر بیان کرتا ہے۔ لہذا یہ بات ناگزیر تھی کہ بادشاہ اس علم سے عداوت رکھتے اور لوگوں پر اس کے حاصل کرنے کی راہیں مسدود کر دیتے۔

یہ بیان اُسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ نہضت اسلامی علوم سیاسی سے خالی ہے اور مسلمانوں کی تحریک علمی ان مباحثت سے عاری ہے اور ہمارے علماء نے اپنی ذہانت کے جتنی بحث باقی علوم پر کی ہے اتنی ہی اس علم سے کنارہ کشی کی ہے۔

(۱۲) یہ جان لینے کے بعد ہم مسلمانوں میں علوم سیاسی کی تحریک کی کمزوری اور ان میں سیاست کے انحطاط پر متعجب نہیں ہیں لیکن اس پر تعجب ضرور ہے کہ اس علم کو نہ تو پوری طرح موت آئی اور نہ یہ بالکل فنا ہو سکا۔ عجیب تر امر یہ ہے کہ زبان بندی کے ان پھروں اور گھات میں رہنے والی قوتوں اور مہیب طاقتوں کے باوجود ان درزوں میں سے بعض سیاسی بخشیں مجالس علم تک سرک کر اور چمن چمن کر پہنچ ہی گئیں، اور اب سیاسی مسائل میں خلفا کی پسندیدہ آراء کے خلاف چند علماء کی رائیں مل ہی جاتی ہیں

اگر ہم اس کتاب کو تمام و کمال صرف اس لئے وقف کر دیں کہ اس میں ہر علم سیاسی ہر عرکت سیاسی یا مسائل سیاسی پر مسلمان بادشاہوں کے عتاب کو بیان کیا جائے تو یہ اور اس جیسی کئی کتابیں اس بیان پر پوری طرح حاوی نہیں ہو سکتیں۔ اسی لئے ہم اسے کامل طور پر بیان کرنے سے قاصر ہیں اور ہمارے لئے یہ بھل اشارہ ہی کافی ہے خاید آئندہ چل کر آپ کو کوئی ایسی بات نظر آجائے جو اس بحث سے قریب اور متعلق ہو۔ اس لئے اب ہم اپنے ہمیں موضوع کی طرف لوٹتے ہیں جہاں ہم یہ کہہ رہے تھے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ "قوم تقرر" امام پر مستحق ہے، اور یہ اجماع کے مساوی ہے جو خلافت کے وجوب کی دلیل ہے:

اگر ہم پر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ہر دور میں لوگوں نے امامت کی بیعت خاموشی سے کر لی (یعنی اجماع سکوت) بلکہ اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ پوری قوم نے ہر دور میں کامل طور پر عملًا امامت کی بیعت میں حصہ لیا اور اس کا اعتراف کیا (اور یہ "اجماع صریح" تھا) اور اگر یہ بات ہم تک منتقل بھی ہو تو بھی ہم اسے اجماع حقیقی مانتے سے انکار کر دیں گے اور اس سے

کوئی شرعی حکم مستبیط کرنا یا اسے دین میں بحث مانتا ہرگز گوارا نہ کریں گے۔ آپ کو اس سے ہمہ یزید کا حال معلوم ہو ہی چکا ہے کہ کس طرح بیعت لی جاتی تھی اور کس طرح اقرار پر بجبور کیا جاتا تھا، لیکن ذرا انتظار کیجیئے ہمارے ہاں اور بہت کچھ ہے۔

یزید بن معاویہ سے ہمیں فیصل بن حسین بن علی کا نام یاد آتا ہے فیصل کا باپ حسین بن علی ان امرائے عرب میں سے تھا جو ہمہ جگ عظیم میں اتحادیوں کے ساتھ مل کر ترکوں اور سلطان ترک، خلیفۃ المسلمين کے خلاف لڑے تھے اس کی اولاد ممالک عربیہ اور ان کے اطراف میں اتحادی فوجوں کی برپا مدد کرتی رہی اور اپنے ترک اور جرم من عربیوں کو خوار و ذلیل کرتی رہی۔ چنانچہ فیصل اپنی خدمات حسن کار کر دی گی اور امداد کے صلے میں انگریزوں کی خواہاں کر کے انعام و اکرام سے سرفراز ہوا اور انہوں نے اسے شام کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ ابھی وہ پوری طرح مستکن بھی نہ ہوا تھا کہ فرانسیسی لشکر نے اس کے ملک پر وحادا بول دیا اور فیصل اپنے تخت و تاج اور ملک و سلطنت کو چھوڑ کر بھاگ نکلا اور انگلستان پہنچ کر دم لیا وہاں سے انگریزوں نے اسے بلاد عراق کی طرف روانہ کیا اور اسے وہاں کا حکمران بنا دیا (۳۰۳) انگریزوں کا خیال تھا کہ عراقوں کے اہل حل و عقد نے اجماع سے فیصل کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا ہے۔ حالانکہ وہاں کے لوگوں کی ایک جماعت نے جس کے افراد کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے اس کی مخالفت کی تھی، ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جنھیں اس سے ہمہ ابن خلدون "شواذ" (اقلیت) مستثنی کا نام دے چکا ہے۔

انگریزوں نے بھی غلط نہیں کیا، انہوں نے ایک ایسے منتخب کے ڈسونگ ضرور رچایا تھا جس میں آزاد اور قانونی انتخاب کے پورے مظاہر موجود

تھے اور انہوں نے عراق کے معتبر اور چیزیدہ لوگوں میں سے اکثر کی رائے حاصل کی تھی جو یہی تھی کہ فیصل کو عراق کا بادشاہ بنایا جائے لیکن اس میں کوئی شہسہ نہیں کہ وہ " یہ " (حدا " تلوار کی طرف اشارہ ہے) جس کی طرف معاویہ کے خطیب نے بیعت یزید کے سلسلے میں ذکر کیا تھا۔ بعضیہ وہی " یہ " تھا جس سے انگریزوں نے فیصل کی بادشاہت کی خاطر اہل عراق کی رائے لی تھی کیا اسی چیز کو اجماع کہا جاتا ہے ؟ اگر یہ " اجماع " واقعی اجماع ثابت ہو جائے تو یہ ایسا اجماع نہیں جس کا اعتبار کر لیا جائے ۔ یہ ممکن ہی کس طرح ہے جب کہ خوارج یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ " امام کا تقرر ہی دراصل واجب نہیں ہے " (۲۱) ؟ اسی قسم کی رائے معتزلہ میں سے اصم وغیرہ نے ظاہر کی ہے (جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) ، اگر ہم پر اصم اور خوارج وغیرہ کی مخالفت (اجماع کی) ثابت ہو جائے تو یہ بات دعوے اجماع کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے ۔ اگرچہ ابن خلدون انہیں اقلیت اور مستثنیات ہی شمار کرتا ہے ۔

(۲۲) یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ قرآن مجید میں خلافت کا کہیں ذکر نہیں بلکہ اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا اسی طرح سنت نبوی بھی اس معاملے میں خاموش ہے ، اور اجماع کا اس معاملے میں اتفاق ثابت ہی نہیں ہوتا پھر کیا اب بھی ان کے پاس قرآن ، حدیث یا اجماع کے علاوہ دین میں کوئی دلیل باقی ہے ؟ جی ہاں ! ان کے پاس ایک آخری دلیل اور ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور دلیل ہم نہیں جانتے ۔ یہ وہ آخری پناہ گاہ ہے جس میں وہ پناہ ڈھونڈتے ہیں لیکن یہ ان کی کمزور ترین اور اہمتری بودی دلیل ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ " شعائر دینی کا قیام اور رعیت کی بہبود خلافت پر موقوف ہے "

(۲۳) علمائے سیاست کے نزدیک جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ کسی

ہمذب قوم کو حکومت کے قیام کے بغیر چارہ نہیں - خواہ وہ کسی دین کے پیروں ہوں یا ان کا کوئی دین نہ ہو، نہ اس سے عرض ہے کہ وہ مسلمان ہوں، عیسائی ہوں، یہودی ہوں، یا مخلوط ادیان کے ملنے والے ہوں لیکن کسی مقتولم قوم کے لئے ایسی حکومت لا بدی ہے جو ان کے امور کی نگرانی کرے اور اپنی قلمرو میں ضبط و امان قائم رکھے خواہ ان کا اعتقاد کچھ ہی ہو - یا ان کی نسل، رنگ اور زبان کیسی ہی ہو، حکومت کی اقسام، اوصاف اور اشکال، دستوری سے لے کر استبدادی تک، اور جمہوری سے لے کر بالشویکی تک مختلف ہو سکتی ہیں، علماء سیاست ایک نوع کو "دوسری نوع پر فضیلت دینے میں ایک دوسرے سے اٹھے رہیں - لیکن ہمیں ان سے ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جو یہ کہے کہ ان تمام اقسام حکومت میں سے کسی قوم کے لئے کوئی حکومت بھی ضروری نہیں (ان میں یہ نزاع نہیں کہ حکومت بالذات ضروری ہے یا غیر ضروری) " ان کے پاس اس بارے میں دلائل موجود ہیں جنہیں بیان کرنے کی بہان ضرورت نہیں لیکن ہمیں اس بارے میں قطعاً تک نہیں کہ یہی رائے فی الحمد صحیح ہے اور لوگوں کے انتشار اور افتراق کی اس وقت تک اصلاح نہیں ہو سکتی - جب تک کہ ان میں کوئی حاکم یا سردار موجود نہ ہو - شاید حضرت ابو بکرؓ نے لپتے مشہور خطبے میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اس دین کو ایسے شخص کے بغیر چارہ نہیں جو اس کا ذمہ دار ہو (۲۳) اور قرآن مجید نے بھی شاید کہیں کہیں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے :

اَهْمَ يَقْسِمُونَ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ؟ نَحْنُ قَسْمًا
بَيْنَهُمْ مَعِيشَتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجَاتٍ لِيَتَخَذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخْرِيَاً وَ رَحْمَةً رَبِّكَ خَيْرٌ مَا
يَجْمِعُونَ (سورة زخرف ۲۳ : ۳۲)

کیا وہ آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ان کی روزی تو ہم نے ان کے درمیان دنیا کی زندگی میں تقسیم کی ہے اور ہم نے بعض کے بعض پر درجے بلند کئے تاکہ ایک دوسرے کو حکوم بنا رکھے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے کہیں ہٹر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (ترجمہ شاہ عبد القادر رملوی)

اسی طرح خداوند تعالیٰ نے "سورہ مائدہ" میں فرمایا ہے:

و لیحکم اهل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ، و من لم یحکم
بما انزل اللہ فاولنک هم الفاسقون ۰

اور چاہئے کہ اہل انجیل اس کے موافق حکم کریں جو اللہ نے اس میں اتنا ہے اور جو چیز اللہ نے اتنا ہے جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے سو وہی لوگ نافرمان ہیں ۔ ۰

و انزلنا الیک الكتاب بالحق مصدقاً لما بین يديه من الكتاب و مهيمنا عليه فاحکم بینہم بما انزل اللہ و لا تتبع اهواء هم عما جاءك من الحق ، لکل جعلنا منکم شرعاً و منهاجاً ، ولو شاء اللہ لجعلکم امتہ واحدہ ولكن لیبلو کم فيما اتاكم فاستبقوا الخیرات ، الى الله مر جعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون ۰

ہم نے تم پر کچی کتاب اتنا ہی جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کے مضمین پر نگہبانی کرنے والی ہے سو تو ان میں ان کے موافق حکم کر جو اللہ نے اتنا ہے اور جو حق تیرے پاس آیا ہے اس سے حدود کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر ، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک واضح راہ مقرر

کر دی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں لپٹے دیتے ہوئے حکموں میں آزمانا چاہتا ہے۔ لہذا نیکوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو تم سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے، پھر تمہیں آکاہ کریگا جس میں تم اختلاف کرتے ہوئے ۔ ۰

وَ إِنْ أَحْكَمْتُ بِيَنْبَهْمَ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ . وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ،
وَاحْذِرُهُمْ أَنْ يَفْتَنُوكُ عنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُ فَإِنْ تَوْلَوا
فَاعْلَمُ أَنَّمَا يَرِيدُ اللَّهُ أَنْ يَصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذَنْبِهِمْ وَأَنْ كَثِيرًا مِّنْ
النَّاسِ لِفَسْقَوْنَ ۝

اور یہ کہ تو ان میں اس کے موافق حکم کر جو اللہ نے اتنا رکھا ہے اور ان کی خواہشوں کی پروانہ کر اور ان سے بچتا رہ کر تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا دیں جو اللہ نے تجھ پر اتنا رکھا ہے پھر اگر یہ منہ موزیں تو جان لو کہ اللہ کا ارادہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں مصیبت میں بدلنا کرنے کا ہے اور لوگوں میں سے نہت سے نافرمان بیس ۔ ۰

فَحُكْمُ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ؟ وَمَنْ أَحْسَنَ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا
لِقَوْمٍ يُوقَنُونَ ۝

تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں ان کے ہاں اللہ سے بہتر اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ۔ ۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخْنُوا الْيَهُودَ وَ النَّصَارَى إِوْلَيَاءَ
بَعْضِهِمْ إِوْلَيَاءَ بَعْضٍ ، وَ مَنْ يَتُوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّمَا مِنْهُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا
يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (۳۷، ۵۱)

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے تو وہ انہیں میں سے ہے اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ ○ (ترجمہ: شاہ عبد القادر دہلوی)

(۱۵) چنانچہ اگر ہم مسلمانوں کو ایک الگ جماعت سمجھ لیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسری امام عالم کی طرح وہ بھی ایک ایسی حکومت کے محتاج ہیں جو ان کے امور کا انتظام کرے اور ان کے کاموں کی نگرانی کرے۔ اگر فقہاء کا مقصد امامت اور خلافت سے درحقیقت یہی حکومت ہو جس کی طرف علماء سیاست اشارہ کرتے ہیں تو پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ صحیح ہے کہ شعائر دینی کا قیام اور رعیت کی ہبہود خلافت (یعنی حکومت) پر موقوف ہے اور یہ حکومت کسی طرح کی ہو اور کسی قسم کی ہو۔ مطلق ہو یا مقید، فردی ہو یا جمہوری (Republic) استبدادی ہو یا دستوری اور شورائی، دیمکراتی (Democratic) ہو یا اشتراکی اور بالشویکی۔۔۔۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل ان کے لئے نتیجہ خیر نہیں ہو سکتی، لیکن اگر خلافت سے ان کی مراد وہ خاص قسم کی حکومت ہے جس سے وہ آشنا ہیں تو ان کی دلیل بودی اور ان کا دعویٰ غیر معقول ہے۔

(۱۶) حقیقت وہی ہے جس کی عقل تائید کرتی ہے اور قدیم و جدید تاریخ جس کی شہادت دیتی ہے کہ شعائر خداوندی اور مظاہر دین ہرگز اس خاص قسم کی حکومت پر موقوف نہیں ہے فقہاء خلافت "کہتے ہیں" اور نہ ان پر جھنسیں لوگ "خلافاء" کہتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی دنیاوی ہبہودان میں سے کسی بات پر موقوف نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے امور دینی و دنیاوی کے لئے اس قسم کی خلافت کی کوئی حاجت نہیں، ہم چاہیں تو اس

سے زیادہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خلافت درحقیقت اسلام اور مسلمانوں کی نسبت کا باعث رہی ہے اور منع شر و فساد بھی ہم آگے چل کر اس کا مفصل ذکر کریں گے لیکن اس وقت ہم عرف اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ جان لیں کہ ہمارا دین اور ہماری دنیا اس فہمی خلافت سے بے نیاز ہے ۔

(۱۴) ہم اس سے ہٹلے (۲۳) ابن خلدون کے یہ الفاظ نقل کر چکے ہیں کہ "عصیت عرب اور ان کی نسلوں کے مث جانے سے خلافت کا نام و نشان اور اثر تک بھی مٹ گیا ، ان کے حالات بگڑ گئے اور حکومت خالص ملوکیت رہ گئی

۔۔۔۔۔ اور خلیفہ کے پاس اس میں سے کچھ بھی نہ تھا ۔ کیا اس سے آپ نے یہ نہیں جانا کہ کس چیز نے ارکانِ دین کو ریزہ ریزہ کر دیا اور مسلمانوں کی بہبود کو اس طرح سے نیست و نابود کر دیا کہ اگر درحقیقت خلافت ہوتی تو وہ اس کا سد باب کرنے کے قابل ہوتی ؟

تیسیری صدی ہجری کے نصف سے خلافتِ اسلامیہ کا اثر و نفوذ کم ہونا اور اس کا اقتدار گھٹنا شروع ہو گیا ، یہاں تک کہ ان کے ماتحت علاقے مخصوص بغداد کے آس پاس کے ایک ستگ دائرے تک محدود ہو کر رہ گئے ، اور " خراسان اور ساورا ، النہر ا بن سامان اور اس کی اولاد کے پاس ٹلے گئے ۔ عراقین کے علاقے قرامط نے لے لئے ، یمن ا بن طبا طبا کے پاس ، اصفہان و فارس بخوبیہ کے پاس اور بحرین و عمان خاندان قرامط کی ایک شاخ کے پاس چلے گئے ۔ جہاں انہوں نے ایک مستقل حکومت کی بنیاد رکھی ۔ اسی طرح اہواز اور واسط معزالدولہ (۲۴) کو مل گئے ، حلب ، سیف الدولہ (۲۵) کے حوالے ہو گیا اور مصر احمد بن طولون اور اس کے بعد کے حاکموں (مثلاً اخشیدی ، فاطمی ، ایوبی اور مملوک خاندان وغیرہ) نے ہتھیا لیا ۔ جنہوں نے وباں غلبہ پالیا اور اس

پر قبضہ کر کے وہاں کے امور پر مستقل طور پر قابض ہو گئے " (۲۶) اس کا ماحصل یہ ہے کہ جن دنوں خلافت کا مستقر بغداد میں تھا ان دنوں وہاں دین کی حالت ان علاقوں کے دین سے خاص بہتر نہ تھی جو خلافت سے نکل گئے تھے اور نہ اس کے شعائر زیادہ عمدہ اور اس کی شان زیادہ عظیم تھی ، نہ بغداد کی دنیا زیادہ حسین اور نہ رعیت کے حالات وہاں زیادہ بہتر تھے

(۱۸) ساتویں صدی ہجری کے نصف میں جب تاتار کے لشکر نے بغداد کا محاصرہ کیا اور جب انہوں نے عباسی خلیفہ مستعصم بالله ، اس کے اہل و عیال اور اکابر دولت کو قتل کر دیا تو خلافت بغداد سے ختم ہو گئی " اور اسلام تین سال تک خلیفہ کے بغیر رہا " - (۲۷)

(۱۹) مصر میں اس وقت ظاہر بیبرس کی حکومت تھی کسی سبب سے اس نے عباسی خلفاء کے پس ماندگان کو تلاش کرنا شروع کیا یہاں تک کہ قسم نے اسے ایک ایسے شخص کا پتہ دیا جبے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ عباسی خلافت کا پس ماندہ ہے اور ان کے گھرانے کا نشان ہے ظاہر کا ارادہ بھی یہی تھا کہ وہ خلیفہ بن جائے - (۲۸) چنانچہ اس نے مصر میں خلافت کی ایک نئی شاخ کی ابتداء کی جس کا ضبط و اختیار ظاہر ہی کے پاس تھا اس نے انہیں کٹ پتلی بنا دیا جنہیں لوگ خلفاء مسلمین کہتے ہیں ، اس نے مسلمانوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ ان کی عظمت و جلال پر ایمان لا میں ان پتلیوں کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھی اور ان کی تمام عرکات و سکنات پر بھی اسے اختیار تھا اور ان کی زبانوں پر بھی اسی کا قبضہ تھا ظاہر کے بعد ملوک جراکس کی بھی مصر میں یہی کیفیت رہی - یہاں تک کہ ۹۲۳ ہجری میں عثمانیوں نے خلافت پر قبضہ کر لیا - پھر کیا ان افرادہ و مردوں صورتوں کو جنہیں مصر کے ملوک قائم کرتے

تھے اور جہیں وہ "خلفاء" کا لقب دیتے تھے مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی بہبود سے کوئی سروکار تھا؟ وہ تو محض بت تھے جہیں وہ حرکت میں لاتے تھے اور پالتو جانور تھے جہیں وہ قبضے میں کئے ہوئے تھے۔ پھر ان وسیع بلاد اسلامی کو کیا ہوا کہ انہوں نے خلافت کا طوق لگے سے اتار پھینکا اور اس کی طاقت اور رعب کو مانتے سے انکار کر دیا اور جب تک وہ قرار پذیر رہے خلافت کے سامنے سے دور رہے اور ان کے بزم خود جلال دینی کو بتوں کی طرح پوجھنے سے انکار کرتے رہے؟ کیا خلافت کے مت جانے سے اور خلفاء کا اثر و اقتدار زائل ہو جانے سے ان کے شھائر دینی فراموش کر دیئے گئے یا ان کی رعیت کا کاروبار معطل ہو گیا؟ کیا خلافت کا سارہ ٹوٹ جانے سے ان کی دنیا تاریک ہو گئی؟ اور کیا زمین و آسمان کی نعمتوں نے انہیں بھلا دیا؟ ہرگز نہیں!

بانو فما بكت الدنيا لمصر عهم

ولاتعطلت الاعياد و الجمع

(وہ تو رخصت ہو گئے لیکن دنیا ان کے مت جانے پر ہرگز نہ روئی، اور نہ عیدین اور جمعے ہی بند ہوئے)

(۲۰) معاذ اللہ! خدا ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اپنے اس دین کی جس کی حفاظت کا وہ خود ذمہ دار ہے عربت و ذلت کسی خاص قسم کی حکومت سے وابستہ کر دے یا امراہ کی کسی خاص صنف سے متعلق کر دے نہ خدا کا منشا۔ یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بندوں کی بہبود اور تباہی خلافت کی مربوں کر دے یا خلفاء کے رحم و کرم پر چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی زیادہ حفاظت کرنے والا ہے اور اپنے بندوں پر زیادہ رحم کھانے والا ہے۔

اب تک ہم نے جو کچھ کہا ہے اس سے شاید یہ بات واضح ہو چکی ہو گی کہ اس چیز کی (جبے خلافت یا امامت عظیٰ کہا جاتا ہے) اساس دین قیم یا عقل

سلیم میں سے کسی بات پر نہ تھی اور وہ جبے وہ اس کی دلیل سمجھتے ہیں ، غور سے دیکھنے پر ہرگز دلیل معلوم نہیں ہوتی ۔

اب ہمارا فرض ہے کہ ہم خلافت ، اس کی ابتداء اور اس کے منشاء پر اپنی خصوصی رائے کا اظہار کریں ، اور خدا سے امداد ، ہدایت اور توفیق کے طالب ہو کر اس کو پوری طرح بیان کریں ۔

حصہ دوہم

حکومت اور اسلام

پہلا باب

عہد نبوی میں نظام حکومت

(۱) - قضاہ نبوی ۲ - کیا رسول کرم نے کسی کو عہدہ قضا سپرد کیا تھا ؟ ۳ حضرت عمرؓ کی خدمات قاضی کی جیشیت ہے ۴ - حضرت علیؓ بجیشیت قاضی ۵ - معاذ و ابو موسیؓ بجیشیت قاضی ۶ - عہد نبوی کے نظام قضا میں تحقیق کی مشکلات ۷ - عہد نبوی حکومت کے آثار سے خالی ہے ۸ - عام سورخین کی نبوی نظام حکومت کی بحث سے کنارہ کشی ۹ - کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ تھے ؟)

(۱) جب ہم عہد نبوی کی تاریخ قضا پر بحث کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت کی قضا کے احوال ابہام سے خالی نہیں جن کی وجہ سے تحقیق مشکل ہو جاتی ہے اور ان کے باعث کسی ایسی پختہ رائے تک پہنچنا آسان نہیں جبے علم صحیح کجھے اور جس سے بحق کا دل خوش ہو۔ اس میں تک نہیں کہ حکم قضا ستازعات کے فیصلے اور ان کی تشریع کے معنوں میں عہد نبوی میں موجود تھا۔ جس طرح وہ اسلام سے پہلے بھی عرب وغیرہ میں موجود تھا۔ آنحضرتؐ کے پاس اکثر جھگڑے فیصلے کے لئے لائے جاتے تھے اور آپ انہیں چکاتے تھے، آپ نے فرمایا "تم لوگ لپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو، ممکن ہے تم میں سے کوئی اپنی بلاغت اور فصاحت سے

دوسرے پر سبقت لے جائے، تو اگر میں اس شخص کے قول کے مطابق اس کے حق میں اس کے بھائی کے خلاف فیصلہ دے دوں تو یاد رہے کہ وہ شخص لپنے لئے دوزخ میں جگہ مخصوص کر رہا ہے، اسے ہرگز یہ قبول نہیں کرنی چاہیئے۔ (۱)

تاریخ میں آپ کے الیے فیصلے محفوظ ہیں جو آپ مختلف قضا یا میں دیا کرتے تھے لیکن اگر ہم ان سے آپ کے نظام قضا کے بارے میں کوئی چیز معلوم کرنا چاہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ استباط آسان نہیں بلکہ غیر ممکن ہے کیونکہ قضا نبوی سے متعلق جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں وہ اس قضا کی کوئی واضح صورت پیش کرنے سے قاصر ہیں ان سے تو یہ بھی تپ نہیں چلتا کہ آنحضرت کا نظام قضا کیا تھا۔ اگر آپ کا واقعی کوئی ایسا نظام تھا۔

(۲) ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی کی قضا کا حال ہر لحاظ سے بہت تاریک اور مہم ہے، یہاں تک کہ محققین کے لئے یہ تک معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آنحضرت نے لپنے علاوہ کسی اور کو عہدہ قضا سپرد کیا تھا یا نہیں یہاں آپ کے صحابہ میں سے تین الیے ہیں جن کے بارے میں علماء کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ انہیں عہد نبوی میں عہدہ قضا سپرد کیا گیا تھا، بعض کہتے ہیں: "آنحضرت نے عہدہ قضا حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت معاذ بن جبل کے سپرد کیا تھا۔" (۲) ضروری ہے کہ ان کے ساتھ حضرت ابو موسی اشعیؑ کو بھی شامل کر لیا جائے کیونکہ وہ لپنے عمل میں جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت معاذؓ کی پوری پوری نظری تھے۔

(۳) جہاں تک عہد نبوی میں حضرت عمرؓ کے عہدہ قضا پر ممکن ہونے کا تعلق ہے تاریخی لحاظ سے یہ روایت ضعیف اور عجیب ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے

کہ یہ بخشن تجھے پیش کی گئی ہے (۳) کیونکہ سنن ترمذی (۲) میں آیا ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے کہا: "جاوہ اور لوگوں میں فیصلے کرو (یا عہدہ قضاۓ سنبحالو)" انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! مجھے اس سے معاف رکھئے۔ حضرت عثمان نے پوچھا: "تمہیں یہ بات کیوں ناپسند ہے حالانکہ تمہارا باپ فیصلے کیا کرتا تھا"۔ - حضرت عبد اللہ نے کہا: "وہ فیصلے تو کیا کرتے تھے لیکن اگر انہیں کوئی مشکل پڑ جاتی تھی تو وہ رسول کریم سے پوچھ لیتا تھے کرتے تھے اور اگر حضور پر بھی مشکل ہوتا تھا تو وہ جبریل سے پوچھ لیتا تھے لیکن مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس سے میں پوچھوں"۔

(۴) اور جہاں تک حضرت علی بن ابی طالب کا تعلق ہے آنحضرت نے انہیں جوانی کے زمانے میں یمن کا قاضی مقرر کیا تھا ۔۔۔۔۔ ابو داؤد نے علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: "رسول کریم نے مجھے یمن میں قاضی بنایا کہ بھیجا تھا اور اس وقت میں جوان تھا اور مجھے قضاۓ کا کوئی علم نہ تھا لیکن آپ نے فرمایا تھا: "اللہ تعالیٰ ضرور تمہارے دل کی رہنمائی کرے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا"۔ اس لئے جب بھی دو فریق تمہارے سامنے پیش ہوں تو اس وقت تک فیصلہ نہ دو جب تک تم ایک کی طرح دوسرے کی بات بھی پوری طرح نہ سن لو یہ بات فیصلہ دینے کے لئے بہت اہم اور ضروری ہے اس لئے میں جب تک قاضی رہا مجھے قضاۓ میں کبھی کوئی دشواری اور تردد نہ ہوا نہ یہ بات ابو عمرو بن عبد البر نے "الاستیعاب" میں بیان کی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ "رسول کریم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: علی بن ابی طالب سب سے بہتر قاضی تھے"۔

بخاری میں اسی موضوع سے متعلق آیا ہے (۵) کہ آنحضرت نے مجھے الوداع سے قبیل خالد بن ولید کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ یمن کی طرف

روانہ کیا تھا ۔ اس کے بعد آپ نے خالد کی جگہ حضرت علیؓ کو خمس وصول کرنے کے لئے بھیجا محاصل کی وصولی کے بعد حضرت علیؓ یمن سے مکہ پہنچ گئے اور نبی کریمؐ اس وقت ویں تھے ۔

علی بن بہان الدین الطبی نے ذکر کیا ہے (۶) کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو ایک سرہ میں یمن کی طرف بھیجا اور تمام کا تمام ہمدان ایک ہی دن میں اسلام لے آیا ۔ آپ نے اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو دی ۔ جب آپ نے وہ خط دیکھا تو سجدہ میں گر گئے ۔ اس کے بعد آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا "اہل ہمدان پر سلامتی ہوا" اہل یمن نے اس کے فوراً ہی بعد اسلام قبول کر لیا یہ پہلا سری ہ تھا دوسرا سری یہ وہ تھا جس میں آپ نے حضرت علیؓ کو ارض یمن کے بلاد مذجح میں تین سو سواروں کے ساتھ روانہ کیا تھا ۔ آپ نے ان سے جنگ کی مال غنیمت جمع کیا ۔ اس کے بعد حضرت علیؓ واپس آگئے اور آنحضرتؐ سے مکہ میں طے اور انہیں خمس پیش کیا، آپ وہاں جستہ الوداع کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے (ان)

(۵) حضرت معاذ بن جبل کو آنحضرتؐ نے قاضی مقرر کر کے یمن کے علاقے میں الجد (۷) کی طرف بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور احکام و شرائع اسلام سکھائیں اور ان میں فیصلے بھی کریں ۔ آپ نے یمن کے صدقات کی وصولی بھی انہیں کے ذمے لگائی تھی ۔ یہ فتح مکہ کے سال (سنہ ۸ ھجۃ) میں پیش آیا ۔ (۸)

بخاری میں اس موضوع پر مذکور ہے (۹) کہ "آنحضرتؐ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا ۔ ان دونوں کو الگ الگ صوبے پر مقرر کیا تھا اس لئے کہ یمن کے دو صوبے ہیں اور آپ نے فرمایا تھا: "آسانی پیدا کرو اور مشکل نہ بناؤ، انہیں خوش خبری دو اور تنفس نہ کرو۔" بخاری کی

ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ آنحضرت نے معاذ بن جبل سے فرمایا : " عنقریب تم اہل کتاب میں سے بعض لوگوں سے ملوگے ، جب ایسا ہو تو تم یہ شہادت دینے کی دعوت دو کہ لا الہ الا اللہ و ان محمدًا رسول اللہ اگر وہ اس پر ہماری اطاعت کر لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے دن اور رات میں پانچ نمازیں ان پر فرض کی ہیں ۔ اگر یہ بھی مان لیں تو ان سے کہو کہ خدا نے ان پر صدقہ مقرر کیا ہے جو امیروں سے لے کر غریبوں کو دیا جاتا ہے ۔ اگر وہ یہ بھی مان لیں تو خبردار ! ان کے عمدہ اور قیمتی مال کو ہاتھ نہ لگانا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ۔ "

سید احمد زینی دھلان نے " سیرۃ نبویہ " (۱۰) میں جو روایت بیان کی ہے وہ بھی اسی طرح ہے ، اس نے کہا ہے : آنحضرت نے جنتہ الوداع سے کچھ ہی در پہلے ۱۰ بھری میں (بعض نو بھری کہتے ہیں اور بعض فتح کہ کاسال یعنی ۸ بھری) کہتے ہیں ، ابو موسیٰ اشعریٰ اور معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کیا ، ان میں ہر ایک الگ صوبے پر مقرر تھا ، معاذ کو عدن کی طرف کا بالائی حصہ ملا تھا اور اس کے عمل میں الجد تھا ۔ ابو موسیٰ اشعریٰ کو زیرین حصہ ملا تھا ۔ " احمد اور ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ نے (۱۱) حارس بن عمرو (مخیرہ بن شعبہ کے بھتیجے) سے اسناد کے بغیر یہ حدیث بیان کی ہے ، حارس نے کہا : " معاذ کے بعض اصحاب نے ہم سے اس طرح بیان کیا گویا معاذ نے خود ان سے کہا کہ جب آنحضرت نے انہیں یمن کی طرف روانہ کیا ، تو آپ نے پوچھا : " اگر تمہیں عہدہ قضا پیش کیا جائے تو تم کس طرح قضا یا کافیصلہ کرو گے ۔ " معاذ نے کہا ، کتاب اللہ سے ، آپ نے پوچھا : " اگر تمہیں کتاب اللہ سے کوئی چیز نہ ملے تو ؟ " معاذ نے جواب دیا : تو پھر سنت رسول کی روشنی میں ، آپ نے پھر پوچھا : لیکن اگر تمہیں قرآن اور سنت دونوں میں کوئی حکم نہ ملے تو ۔

کہا " تو پھر میں اپنی رائے کو استعمال کروں گا اور اس میں سرمومستی نہ کروں گا " اس پر آنحضرت نے لپٹنے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا : خدا کا فلکر ہے جس نے رسول خدا کے سفیر کو یہ توفیق دی کہ وہ اس بات سے متفق ہے جس پر میں راضی ہوں " -

(۶) - یہ مختلف روایات ہیں جنہیں ہم نے نمونے کے طور پر پیش کیا ہے ، آپ ہی دیکھئے کہ ان سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا کہاں تک ممکن ہے اس لئے کہ یہ عہد نبوی کے احوال قضا کا کچھ زیادہ احاطہ نہیں کرتیں - آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہو گا کہ ایک ہی واقعے کے بارے میں روایات کس قدر مختلف ہیں - ایک یہ کہتا ہے کہ آنحضرت نے حضرت علی کو یمن میں قاضی بنانے کے لئے بھیجا اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ انہیں زکوٰۃ میں سے خس وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا - اسی طرح معاذ بن جبل کے بارے میں ہے - ایک شخص کہتا ہے کہ انہیں قاضی بنانے کے لئے بھیجا گیا تھا ، دوسرا کہتا ہے غازی بنانے کے لئے بھیجا گئے تھے - اور یہ بات اس نظریہ معلم بنانے کے لئے بھیجا گئی تھی -

صاحب " سیرۃ نبویہ " (۱۲) نے اس بات کے متعلق کہ معاذ قاضی تھے یا والی ، مختلف رائے دی ہے : " ابن عبد البر نے کہا کہ وہ قاضی تھے ، غسانی کہتا ہے کہ وہ محاصل کی وصول پر امیر مقرر کئے گئے تھے - ابن میمون کی صریح حدیث یہ ہے کہ وہ امیر صلوٰۃ (امام) بنانے کے لئے بھیج گئے تھے ، اور یہ بات اس نظریہ کی تائید کرتی ہے کہ وہ والی تھے " -

(۷) عہد نبوی میں عہده قضا کیسا تھا ؟ یہ عین بحث ، اس میں طویل عنوں و فکر اور ان احادیث و واقعات کا جو ہم نے اس موضوع پر بیان کی ہیں اچھی طرح سے سمجھنا ہمیں ایک اور بحث کی طرف لے جاتا ہے ، یعنی عہد نبوی میں اسلامی نظام حکومت کیا تھا اور اس اسلامی حکومت کی تنظیم اور بندوبست

کی کیفیت کیا تھی۔ اگر در حقیقت ہم یہ مناسب تجھیں کہ ان تمام ممالک کو جنہیں خدا نے اپنے نبی کے زیر نگین کر دیا تھا ملک و سلطنت تصور کریں۔ یہ مطالعہ اس لئے ضروری ہے کہ عہد نبوی کے نظام قضا پر بحث کرتے ہوئے ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ قضا کے علاوہ دوسرے امور بھی مثلاً اعمال حکومت اور اس کے بنیادی فرائض ایک ایسی واضح صورت میں جس میں کوئی اہمam نہ ہو آنحضرت کے زمانے میں موجود نہ تھے تاکہ کسی منصف مزاج حقیق کے لئے اس رائے کا حامی ہونا آسان ہو جائے کہ آنحضرت نے ان بلاد میں، جو خدا نے آپ کے زیر نگین کئے تھے، ان کے امور کی تدبیر، احوال کی نگرانی اور ضبط حکومت کے لئے کوئی والی یا عامل مقرر نہ کئے تھے جو کچھ روایت کیا جاتا ہے وہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے صحابہ میں سے امیر لشکر یا عامل مال، یا امام صلوٰۃ یا صلم قرآن یا داعی اسلام مقرر کئے تھے، ہمیں اس میں کوئی عام اصول نہیں ملتا بلکہ یہ سب کچھ ایک خاص اور محدود وقت کے لئے تھا، جیسے کہ آپ سفارت اور سرایا کے لئے لوگوں کو مقرر فرماتے تھے، یا جب آپ غزا کے لئے نکلتے تھے تو اپنے یونچے مدینہ میں کسی کو اپنا قائم مقام اور خلیفہ بنانے کرتے تھے۔

اگر ہم قضا اور ولایت سے دوسرے شعبوں کی طرف بڑھیں جن کے بغیر ریاست (حکومت) کے معنوں کی تکمیل نہیں ہوتی ۔۔۔۔۔ مثلاً وہ امور جو آدمی اور مصارف (مالیہ) یا جان و مال کی حفاظت (پولیس اور فوج) یا اور دوسرے امور جن کے بغیر کوئی چھوٹی اور معمولی ترین حکومت بھی قائم نہیں ہو سکتی ۔۔۔۔۔ تو ہمیں یہ بختنہ یقین ہو جاتا ہے کہ عہد رسالت یعنی اس قسم کی کوئی واضح چیز موجود نہ تھی ہمیں کوئی ایسی شے نہیں ملتی کہ ۔۔۔۔۔ دشوق اور یقین سے یہ کہہ سکیں کہ یہ نبوی نظام حکومت تھا

(۸) اس موضوع کے بارے میں (جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے) یہ معمول ہو گیا ہے کہ اکثر مولفین (خاص طور پر راویان اخبار و واقعات) جب کبھی کسی خلیفہ یا بادشاہ کے سوانح یا ان کے عمل و حکام ، اعیان حکومت اور والیوں اور قضاۃ کے بارے میں کچھ لکھتے ہیں تو وہ اس پر مکمل اور مفصل بحث کرتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ علمی لفاظ سے اس بحث کی مناسب قدر و قیمت سے آگاہ ہیں اور اس لئے وہ اس میں خاصی محنت و تحقیق کرتے ہیں لیکن جب وہ تاریخ نبوی پر بحث کرتے ہیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ وہ واقعات کو مرتب کرنے کی بجائے بات کو آہستہ آہستہ توڑ مروڑ کر رکھ دیتے ہیں اور اس بحث کے سندوں میں اس طرح سے غوطہ زنی کرتے ہیں جو دوسرے ادوار کی بحث سے قطعاً مماش نہیں ہوتی ۔ ہم نے کسی سوراخ کو شاذ و نادر ہی اس سے مختلف دیکھا ہے جبز اس کے جو آگے چل کر ہم رفاعع بک رافع الطہطاوی (۱۳) کی کتاب ”نهایۃ الا یجاز فی سیرۃ ساکن الحجاز“ میں سے نقل کریں گے ۔ (جو انہوں نے کتاب ”تخریج الدلالات السمعیۃ“ سے لیا ہے) ۔

(۹) ہم عہد نبوی کے احوال قضا یا غیر قضا۔ (مثلاً اعمال حکومت انواع ولایت وغیرہ) پر جتنا بھی عنور کرتے ہیں اس بحث میں اہم اور بھی بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس کا راز اور بھی گہرا ہوتا چلا جاتا ہے ، مہماں تک کہ حریت فکر ہمیں ایک بحث سے دوسری بحث اور ایک اہم اسے دوسرے اہم اس کی طرف لے جاتی ہے اور ہماری نظر ہمیں اس وسیع و بے نام میدان کی اہتمام تک لے جا کر چھوڑ دیتی ہے ، اور پھر ہمیں ایک ایسا یچھیدہ مسئلہ در پیش آ جاتا ہے جو تمام سابقہ مسائل سے عظیم تر ہے اور جو ہماری حریت اور پریشانی کا سبب ہے ۔ یہی اصل ہے اور باقی سب دون ۔ جن قائد ہے اور باقی سب تائیں یہ وہ مشکل

ہے کہ اگر عقل اسے حل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو باقی سب مشکلات یعنی ثابت ہوں اور تمام اہم و شہابات خود بخود رفع ہو جائیں ۔

ہم آپ کو اس مسئلے کے قریب نئے چلتے ہیں لیکن ہم ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور دوسرا چکھے ہٹا لیتے ہیں اول تو اس نئے کہ اس کا حل بہت مشکل ہے اور فکر کی لغزشیں بہت زیادہ ہیں اور اگر خدا ہی اس میں مدد گار نہ ہو تو اس کی صحت و درستی تک پہنچنے کی کیا امید ہو سکتی ہے اور کون مدد کر سکتا ہے ؟ دوم اس نئے کہ اس موضوع کی تحقیق میں عنود فکر ایسے نزاع کو دعوت دیتا ہے جس کے شکلوں کو ہوا دینے والے وہ لوگ ہیں جو مذہب کو ایک جامد بست کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتے ، نہ تو عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے اور نہ رانے اس کو گرفت میں لے سکتی ہے ۔

لیکن ہم خدا سے استعانت کے طلبگاہ ہیں اور اسی سے حسن توفیق چاہتے ہیں کہ شاید کبھی ہم پر اس کے اسرار ظاہر ہو جائیں اور اس کے قفل کھل جائیں اور ہم شاداں و فرحاں اس کی حقیقت تک پہنچ جائیں ، انشا ، اللہ تو اب مسئلہ یہ ہے : کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سیاسی ریاست کے مالک اور رئیس حکومت بھی تھے جس طرح کہ آپ دعوت دین کے سفر اور وعدت دینی کے زعیم تھے یا نہیں ؟

دوسرا باب

رسالت اور حکومت

(۱) یہ تحقیق کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ نبی کرم بادشاہ تھے یا نہیں ۔
 ۔۔۔ ۲ - رسالت اور ہے حکومت اور ۔۔۔ ۳ - یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ بھی تھے ۔۔۔ ۴ - بعض علماء کی نظام حکومت نبوی کی مفصل تشریح ۔۔۔ ۵ - عہد نبوی کی حکومت کے بعض مشتبہ مظاہر ۔۔۔ ۶ - جہاد ۔۔۔ ۷ - اعمال مالیہ ۔۔۔ ۸ - وہ لوگ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت نے انہیں مختلف بلاد میں عامل مقرر کیا تھا ۔۔۔ ۹ - کیا کسی سیاسی حکومت کا قیام نبوت کا جزو تھا ۔۔۔ ۱۰ نبوت اور نفاذ احکام ۔۔۔ ۱۱ - ابن خلدون کی رائے کہ اسلام شریعت تبلیغی و تنقیدی ہے ۔۔۔ ۱۲ - اس رائے پر اعتراض ۔۔۔ ۱۳ - یہ قول کہ نبوی حکومت میں حکومت کی تمام تفاصیل موجود تھیں ۔۔۔ ۱۴ - نظام حکومت نبوی سے ہماری ناداقیت کا احتمال ۔۔۔ ۱۵ - اس رائے پر تنقید ۔۔۔ ۱۶ - یہ احتمال کہ فطری سادگی پر نظام حکومت نبوی تھی ۔۔۔ ۱۷ - اس دین کی سادگی ۔۔۔ ۱۸ - اس رائے پر بحث ()

(۱) آنحضرت بادشاہ تھے یا نہیں ، اس بحث سے گھیرانے کی ضرورت نہیں نہ یہ سمجھیے کہ یہ بحث دین کے لئے خطرناک ہے جس سے محقق کے ایمان کو بھی خدشہ ہو ، اگر آپ کی سمجھ میں آجائے تو بات اتنی خطرناک نہیں

کہ وہ کسی مومن کو ایمان کے دائرے سے خارج کر دے - بلکہ اس سے بھی کہیں کم ہے کہ وہ کسی متینی کو تقدیمی کے دایرے سے نکال دے -

یہ بات شاید اس لئے خطرناک اور اہم معلوم ہوتی ہے کہ یہ مقام بیوتوں سے تحریب ہے اور مرکوز رسول سے متعلق ہے ، لیکن اس کے باوجود جو ہر دین یا ارکان اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ، ممکن ہے ایک لحاظ سے یہ بحث اسلام میں بالکل نہیں ہو تبے اس سے پہلے مسلمانوں نے واضح طور پر سمجھایا ہی نہیں اور نہ علماء ہی نے اس میں کوئی صریح رائے پیش کی ہے ، اس صورت میں یہ کوئی بدعت نہیں اور نہ مسلمانوں کے مختلف مذاہب کے مخالف ہے کہ کوئی حقیقت یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ رسول کریمؐ نبی تھے یا بادشاہ یہ بدعت ہے نہ جدت کہ کوئی مخالف اس کے خلاف ہو ، کیونکہ یہ بحث ان عقائد دینیہ کے دائرے سے خارج ہے جن سے علماء متعارف ہیں اور جن میں ان کی راہیں مستحبین ہیں چلکی ہیں اس لئے یہ دین کے باب سے زیادہ علمی بحث کے باب میں واضح ہے اور زیادہ اہم ہے اس لئے ڈرنے کی ضرورت نہیں ۔
انک من الہمیتین " (سورہ القصص ۳۱: ۲۸)

(۱۷) آپ جانتے ہیں کہ رسالت بادشاہت سے مختلف ہے اور ان دونوں میں کوئی بات بھی مشترک نہیں ۔ کیونکہ رسالت الگ مقام ہے اور بادشاہت الگ ۔ کتنے بادشاہ ہیں جو نبی ہیں نہ رسول اور کتنے ہی نبی ایسے ہیں جو بادشاہ نہیں بلکہ ہم جنتے انبیاء کو جانتے ہیں ان میں سے بیشتر صرف رسول ہی تھے

حضرت عیین بن مریمؐ دعوت مسکی کے رسول تھے اور عیسیائیوں کے رسمیم ۔ اس کے باوجود وہ اطاعت قبیر کی دعوت دیتے تھے اور اس کی طاقت کا اعتراف کرنے کو کہتے تھے یہ ہی تھے جنہوں نے اپنے پیروؤں کو یہ بالغ حکم دیا

کہ قیصر کو وہ دے دو جو قیصر کا ہے اور اللہ کا ”(۱)“
 حضرت یوسف بن یعقوب ریان بن الولید فرعون مصر کے عالمون ہیں
 سے ایک عامل تھے اور ان کے بعد جو آئے وہ قابوس بن مصعب کے عامل تھے
 (۲) -

اسی طرح ہم چند ایک کے سوا اہمتر کم ایسے رسولوں کو بخاستھے ہیں جن
 کی ذات میں خدا نے نبوت اور باوشاست نجع کر دی تھی، تو کہاں اگذاں ان اہم
 میں سے تھے جن کے پاس نبوت اور باوشاست دونوں تھیں یا وہ صرف دوسری
 تھے؟

(۳) جہاں تک ہمیں صحنوم ہے ہم علماء میں سے کہی کو ہمیں ہے
 جس نے اس موضوع پر اپنی واضح رائے پڑھ کی ہو یا جس سے اس کا
 واضح بیان دیا ہو لیکن طریقہ استنتاج (By way of inference) کے طور
 پر ہمارے لئے یہ کہنا ممکن ہے کہ عام مسلمانوں نے اس احتقاد کو نادرست کر
 آنحضرت نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی، اور انہوں نے اسلام میں ایک سیاسی مدنی
 حکومت کی بنیاد رکھی تھی جس کے وہ بادشاہ بھی تھے اور سردار بھی، شاید یہ وہ
 رائے ہے جبے مسلمانوں کا عام ذوق پسند کرتا ہے اور جس کافی مدد ان کے
 احوال سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ شاید یہ مسلمانوں میں سے عام عمدہ کی رائے
 بھی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اس موضوع پر ان سے کوئی بات کہو
 جاتی ہے تو وہ یہ ملتے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں کہ اسلام ایک وحدت سیاسی
 ہے اور ایک حکومت ہے جس کی بنیاد آنحضرت نے رکھی تھی۔

ابن خلدون ”مقدمہ“ میں اسی رائے کا حامی ہے کیونکہ اس نے خلافت
 کو ”حفظ دین اور سیاست دنیا میں صاحب شرع (یعنی آنحضرت) کی بنیاد پہنچا
 ہے، جو حکومت یا سلطنت پر حاوی ہے اور حکومت اسی کے ماتحت آتی ہے

(انج) (۳)

(۲) رفقاء بک رافع مرحوم نے کتاب "تخریج الدلالات السمعیہ" سے جو کچھ نقل کیا ہے معلوم ہوتا ہے وہ واضح رائے ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ صریح ہے انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کا شخص یہ ہے (۲) وہ شخص جس کے قدم علوم و معارف میں رانچ نہیں ہیں اور جن کے پاس مفتشر کے آلات میں سے اس کے لپٹنے ہاتھ اور قلم کے سوا اور کچھ نہیں ہے یہ بحثتا ہے کہ اکثر اعمال سلطانیہ بدعت ہیں نہ کہ منقول و ماخوذ اس کے خیال میں جو عامل دنیاوی امور کا نگران ہے وہ کسی اچھے عہدے پر مامور نہیں ہے بلکہ یہ کہ اس کا عہدہ بہت حقری ہے ۔ اسی لئے میں نے ایک کتاب میں ان تمام عہدوں کو جمع کر دیا ہے تاکہ جب معلوم نہیں وہ جان لے میں نے اس میں ہر اس عہدے کا ذکر کیا ہے جس پر آنحضرت نے لپٹنے صحابہ کو مقرر کیا تھا تاکہ ہر وہ شخص جو اس عہدے سے متعلق ہے جان لے اور خدا کا شکر ادا کرے کہ اسے شرعی کام میں نکایا گیا ہے جن پر وہ صحابہ مقرر ہوتے تھے جنہیں آنحضرت پسند فرماتے تھے ، اور جن عہدوں پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لپٹنے دوستوں کو نائب بناتے تھے ۔

اس کے بعد رفقاء بک نے مختلف خصوصی و عمومی شعبوں اور حکومت کے عہدوں کا ذکر کیا ہے ۔ مثلاً شہری ، داخلی اور جہادی جگہے جن سے سلطنت اسلامی کا نظام عبارت ہے اور جن سے مختلف صنعتیں اور حرفیں ، جو شریعت میں معروف میں ، متعلق ہیں جس طرح کہ وہ آنحضرت کے عہد میں تھیں اس میں اس نے آنحضرت کے خاص اعمال کا اور ان ابتدائی اہم اعمال کا جو امامت عظیٰ سے متعلق ہیں ، باہم مقابله کیا ہے مثلاً وزارت ، حجابت ، اور ولایت و بدن (۵) اور سقایہ (۶) اور کتابت (سکریریٰ شب) اس کے علاوہ وہ اعمال

بھی بتائے ہیں جو فقیہ عہدوں سے متعلق ہیں مثلاً معلم قرآن ، معلم کتابت ، معلم فقہ ، مفتی ، امام نماز اور موذن ---- اس کے بعد اس نے ترجمان لشکر کے منشی عطا (فوجیوں کے مشاہرے) دیوان اور زمام (فوجیوں کا خبط اور نگرانی) کے عہدوں کا ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ دیوان کے عہدے کی ابتداء و اصل آنحضرت کے عہد سے ہوتی ہے۔ س کے بعد اس نے عام نظام و نتیجے سے متعلق عہدوں کا ذکر کیا ہے مثلاً قرب و جوار اور نواح میں امارت عامہ ، قضاء اور اس سے متعلق امور مثلاً گواہوں کی پیشی شرائط ، معاهدے ، ورش اور نفعے کی کتابت وغیرہ تقسیم کنندگان و راشت حفاظت کے لئے ناظر تعمیرات ، محضب ، منادی کرنے والے شہر کی حفاظت کے ذمہ دار اہل شہر کے جاؤں جملیہ اور سزا دینے والے اس کے بعد اس نے ایک ایک کر کے اعمال حکومت بیان کئے ہیں اور کوئی بات نہیں چھوڑی۔ اس کے بعد رفاعة تبک نے کہا کہ یہ وہ چیز ہے جس پر سیرت کی کتابوں کے اکثر بلکہ سب کے سب مصنفوں قادر نہیں ہو سکے ۔

(۵) اس میں شک نہیں کہ حکومت نبوی میں بعض ایسی باتیں موجود تھیں جو حکومت سیاسی ، علامات سلطنت اور حکومت کے مظاہرے سے ملتی جلتی ہیں ۔

(۶) ان ملکی معاملات میں سے جو آنحضرت کے عہد میں نظر آتے ہیں جو بات سب سے بہلے ذہن میں آتی ہے وہ مسئلہ جہاد ہے ۔ آنحضرت نے اپنے دین کی خاطر اپنے ہم قوم مخالفین سے جنگ کی ، ان کے علاقوں کو فتح کیا ، ان کے مال سے مال غنیمت حاصل کیا ، اور ان کے مردوں اور عورتوں کو قیدی بنایا ۔ اس میں بھی شک نہیں کہ آپ کی نظر جیزہ عرب سے بھی ماوراء تمدنی اور آپ نے اپنے عساکر کو اقطار ارض میں پھیلانا شروع کر دیا تھا اور مغرب میں

دو میوں کی سلطنت کو ختم کرنا شروع کیا تھا (۷) اور مشرق میں آپ نے ایران کے کسری کو اسلام لانے کی دعوت دی تھی، اسی طرح صبغہ کے نجاشی و معاشر کے موقق کو۔

مکملی نظر میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہاد تو ہتھا دین کی طرف بلانے کے لئے اور نہ لوگوں کو خدا پر حکیمی پر ایمان لانے پر محور کرنے کے لئے ہے اور نہ حکومت کے ثابت رقیب اور خستہ کی کسی کے لئے ہے۔

دین کی دعوت خدا کی طرف، دعوت سبک، یہ دعوت صرف تبیین پر اور دنیل کو مبتاثرا اور باقی اکرمیہ پر گاہی سبک، اخلاق، فہرست، حرام اور دعوت کے سے سوریں اپنیں ہیں جس کی عزیزی مذکور تکریب اور عقلاً کی تکمیر ہو ہم اپنی ایجاد میں کسی ایک نبی کو اپنی اصلاحیہ یا اپنے جس نے تلواء کے ذریعے لوگوں کو خدا پر ایمان لائے ہو، کیا ہو اور کوئی ایسا بھی ہے جس سے کسی قوم سے اپنے دین کی صاقت مٹوانے کی غاطر جنگ کی ہو جی ہو وہ اصول ہیں جن کی تصدیق و تکمیر نبی کریم نے فرمائی، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”لَا اكراه فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ“ (۸)

(ارین کے محاطے میں زبردستی نہیں ہے، بے شک بدایت گمراہی سے سماز ہو گئی ہے)

او

ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم
بالتی ہی احسن“ (۹)

(اپنے رب کے راستے کی طرف داشت مندی اور عمدہ نصیحت سے بلا اور ان کے لئے پسندیدہ طریقے سے بحث کر)

”فَذَكْرُ أَنَّمَا انتَ مذَكْرٌ لِسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصِيطَرٍ“
 (پس آپ نصیحت کیجئے بہنچ آپ تھے نصیحت کرنے والے ہیں آپ ان پر کوئی
 دار و نہ نہیں ہیں)

او

”فَإِنْ حَاجُوكُمْ فَقْلُ اسْلَمَتْ وَحْدَهُ اللَّهُو مِنْ أَنْتُمْ وَقُلْ لِلَّذِينَ
 أَوْتُوا الْكِتَابَ وَالْأَمَمِينَ اسْلَمْنَاهُمْ فَإِنْ اسْلَمُوا فَقَدْ أَهْسَنُوا إِنْ
 انْ نُولُوا فَإِنَّمَا عَلَيْكُمُ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ“ (۱۱)

پھر بھی اگر تم ہے جھگڑا کریں تو اس سے کہ میں نے اپنا مدد اتنا کیے
 حکم کے تابع کیا ہے اور ان لوگوں نے بھگڑا کریں ساختی ہیں اور ان لوگوں
 سے کہہ دے جیسی کتاب دل کی ہے اور ان پڑھوں سے آیا تم بھی تابع ہو
 گئے ہو۔ پھر اگر وہ تابع ہو گئے تو انہوں نے بھی سیدھی را دپالی اور اگر وہ مدد
 پھریں تو تیرے ذمے فقط ہمچا دینا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو غوب دیکھتے
 والا ہے ۔

او پھر

”إِنَّمَا تَنْكِرُهُ النَّاسُ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ“ (۱۲)
 (پھر کیا تم لوگوں پر زبردستی کروئے کہ وہ ایمان لے آئیں ۔)

یہ وہ واضح ہدایات ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ کی رسالت ان
 بھائیوں (یعنی دوسرے انبیاء) کی رسالت ہی کی طرح تھی وہ وعظ و بیان ان
 تابیف قلوب پر مبنی تھی کہ قوت و جبر پر، اور اگر کبھی آنحضرتؐ کو طاقت
 اور قوت استعمال کرنے کی ضرورت پڑ گئی تھی تو وہ دعوت دین کے لئے یا اپنی

رسالت کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے نہ تھی اس سے یہی مفہوم لیا جا سکتا ہے کہ وہ حکومت کے قیام اور اسلامی ریاست کی تاسیس کی خاطر تھی، حکومت تو تلوار یا قبر و غلبے کے ساتھ میں ہوتی یہی خلافت کے حامیوں کے نزدیک جہاد کا راز ہے جیسا کہ آنحضرت کا عمل تھا اور یہی اس کے معنی ہیں۔

(۴) ہم نے کہا ہے کہ جہاد دولت اسلامیہ کے نشانات میں سے ایک نشان ہے اور حکومت کے کاروبار کی مثالوں میں سے ایک مثال ہے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عہد نبوی میں مالی مور سے متعلق شےب بھی تھے۔ جو آمدی غرچہ اور مختلف مدارت سے مال جمع کرنے کے ذمہ دار تھے مثلاً زکوٰۃ، ہرزیہ، مال غنیمت وغیرہ کو جمع کرنا اور ان کو مختلف مصارف میں تقسیم کرنا۔ آنحضرت نے ان کاموں کی نگرانی کے لئے ناظر (انسپکٹر) اور محصل (یکس ٹکڑا) بھی مقرر کر رکھے تھے اس میں شک نہیں کہ تدبیر مال حکومت کے امور میں سے ہے بلکہ حکومت کے بعض اہم شعبوں میں سے ہے لیکن یہ بھی درست ہے کہ نبوت کے منصب سے (جیسا کہ وہ ہے) خارج ہے اور بحیثیت رسول و نبی انبیاء اور رسولوں کے کام سے بعید ہے۔

(۵) اس کی سب سے قوی مثال وہ ہے جو اس بارے میں طبری نے اسناد سے بیان کی ہے کہ جب آنحضرت نے امارت یمن کی طرف توجہ کی اور اسے مختلف اشخاص میں بانت دیا تو آپ نے ہر شخص کے لئے ایک خاص علاقہ منصوص کر دیا آپ نے عمر و بن حزم کو بجزان، خالد بن سعید بن العاص کو اس علاقے پر جو بجزان رضع اور زبید کے درمیان واقع تھا، عامر بن شہر کو ہمدان، ابن با ذام کو صفا طاہر بن ابی ہالہ کو عک اور اشعرین، ابو موی اشعری کو آتاب اور یعلی بن ابی امیہ کو جند پر مقرر فرمایا۔ معاذؑ کو آپ نے معلم مقرر فرمایا تھا جو یمن اور حضرموت میں ایک علاقے سے دوسرے علاقے

میں دورہ کرتے رہتے تھے (۱۳)

مہماں ہمیں عہد نبوی کے اور بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں جنہیں ہم نے بیان نہیں کیا جو حکومت کے آثار اور سلطنت کے مظاہر کو واضح کرتے ہیں جو شخص ان پر اس رخ سے نظر ڈالے گا وہ ہمیں سمجھے گا کہ آنحضرت خدا کے رسول بھی تھے اور سیاسی حاکم بھی

(۹) اگر ہمارے بعض قارئین ان مسائلوں پر اعتبار کر کے انہیں ترجیح دیں اور اس پر مطمئن ہو جائیں کہ آنحضرت رسول بھی تھے اور حاکم بھی ، تو اب ایک نئی بحث پیدا ہوتی ہے جس پر غور کرنا ضروری ہے کیا آنحضرت کی طرف سے اسلامی حکومت کا قیام ، اس پر کار بند ہونا اور اس پر توجہ مبذول کرنا ایسی چیز تھی جو رسالت کی حدود سے خارج تھی یا یہ اس منصب کا جزو تھی جس کی خاطر خدا نے آپ کو مبعوث کیا تھا اور آپ کی طرف وحی بھیجی تھی ؟ مملکت نبوی کا دعوت اسلام سے الگ کوئی بات ہونا اور رسالت کی حدود سے خارج ہونا ایسی رائے ہے جس کی تائید مسلمانوں کے مختلف مذاہب سے نہیں ہوتی اور نہ ان کے کلام میں کوئی ایسی بات ملتی ہے جو اس پر دلالت کرے لیکن اس کے باوجود یہ ایسی صالح رائے ہے کہ اسے مان لینا چاہیئے ، اور ہم نہیں سمجھتے کہ اسے کفر یا الحاد کہا جا سکتا ہے بلکہ اسلام کے بعض فرقوں کا اسلام میں خلافت سے انکار اسی رائے پر محمول کیا جا سکتا ہے ۔

شاید آپ یہ سمجھیں کہ آنحضرت کا کوئی عمل مقام رسالت سے خارج تھا ، یا وہ سلطنت جسے انہوں نے مصبوط بنایا تھا وہ دنیاوی کام تھا اور اسے رسالت سے کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ یہ ایسا قول ہے کہ اگرچہ آپ کے کان اسے سنا پسند نہ کریں (کیونکہ اس پر چرب زبانی سے کچھ کہنا مسلمانوں کی لغت میں کچھ غیر مانوس سا ہے) پھر بھی قواعد اسلام ، رسالت کے معنی ، روح

شریعت اور تاریخِ نبوی میں سے کوئی چیز بھی نہ تو اس سے متصادم ہوتی ہے اور دن سے کوئی جیسا و غریب بات سمجھتی ہے بلکہ اکثر ایسے اقوال ملتے ہیں جو ان کے سلسلے میں اور جواز بن جائیں لیکن بہر حال یہ ایسی رائے ہے جسے ہم
سمت پر بعدِ صحیح نہیں ہے۔

(۱) یہ رائے کہ حملہت ہیری رسالت کا جزو تھی اس میں شامل تھی اور ان کو تحریر تھی، اسی رائے سے کہ تھے عام اسلام پسند کرتے ہیں اور یہ ایسے کئے عام اسلوب کی طرف ا驰، بھی کرتی ہے اور ان کے مبادیات اور مذاہب اس کی تائید کرتے ہیں لیکن یہ بالکل واضح ہے کہ اس رائے کا عقل میں کوئی ملکیت نہیں ہے وہ اس کے کام بحث ہے جسے کہ یہ رسالت کا جزو ہے اور سوچنے والوں و خوشنہ عداوندی کی تحریر ہے بعد اس کی عملی طور پر نافذ کرنے پر مامور ہے یعنی یہ کہ رسول بیک وقت سمجھنا ہی ہے اور نافذ کرنے والا بھی۔

(۲) بہر حال این خلدون کے سو ادن سب نے جنہوں نے رسالت کے سمجھنے پر بحث کی ہے اور جن کے سبھ پر ہم لے عنور کیا ہے، ہمیشہ تقید کو رسالت کی حقیقت کا جزو قرار دیتے ہے غلطت بر تی ہے، این خلدون کا کہنا ہے کہ دوسری ملتوں کے ہر عکس اسلام ہی ایک ایسا مذهب ہے جس میں یہ خصوصیت ہے کہ اس میں دعوت دینی اور اس کی عملی تفہیہ ہاں جمع ہیں، یہ قول اس کے "مقدمہ" میں کہی جگہ قابل ہے، اس کا بیان اس نے اس فصل میں کیا ہے جس میں اس نے عیسیائیوں کے پاپا اور بطریق اور یہودیوں کے کام کے اتفاق کی شرح کی ہے وہ کہنا ہے

یہ جان لینا چاہیئے کہ نبی کے بعد ملت کا کوئی قائم مقام ضروری ہے جو انہیں احکام و شرائع کا پابند بنائے اور جو ان میں نبی کے نائب کے طور پر ہو، تاکہ مختلف فریض کو بجا لاسکے، اور نبی نوع انسان کو بھی اجتماع بشری

کی سیاسی ضرورتوں کے پیش نظر ایسے شخص کے بغیر چارہ نہیں جو انہیں ان کی مصلحت سمجھائے اور انہیں بہ جبر برائیوں سے روکے اسی کا نام بادشاہ ہے اور جب کہ ملت اسلامی میں دعوت عام کی خاطر سب کو طوعاً و کرہاً اسلام کا پابند بنانے کے لئے جہاد مشرع ہے تو اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں خلافت، اور حکومت جمیع ہیں کیونکہ طاقت انہیں دونوں باتوں پر ہبھی ہے اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں نہ تو دعوت عام ہے اور نہ ان میں مدافعت کی غرض کے علاوہ جہاد مشرع ہے، وہ شخص جس کے ذمے ملک میں مذہب کے امور ہوں اسے ان مذاہب میں سیاست ملکی کے امور سے کوئی غرض نہیں۔ کیونکہ ان کے ذمے ملک فتح کرنا نہیں ہے ان کا مقصد صرف اندر ورنہ ملک میں مذہب کا قیام ہے۔

۲۔ یعنی ابن خلدون کا مطلب (جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں) یہ ہے کہ اسلام نہ صرف شریعت تبلیغی ہے بلکہ اسے عملی جامہ پہنانا بھی ہے، اور اس میں دوسرے مذاہب کے برخلاف حکم دینی اور حکم سیاسی جمیع ہیں۔

(۱۲) ہمیں اس قول کا نہ تو کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ سند، اور یہ نہ صرف رسالت کے معنوں کے منافی ہے بلکہ یہ دعوت دینی کی طبیعت کے اتفاقاً کے بھی خلاف ہے اگر یہ قول صحیح ہو تو بھی ایک اور مسئلہ باقی رہ جاتا ہے جس کا حل ملنا ضروری ہے اور جس سے نکلنے کا راستہ خلافت کے حامیوں کو تلاش کرنا چاہیئے یہ وہ مسئلہ ہے جس سے ہم نے اس بحث کی ابتداء کی تھی لیکن ہم دوسری طرف چل نکلے تھے۔

اگر رسول کریمؐ نے واقعی کسی سیاسی مملکت کی بنیاد رکھی تھی یا رکھنی شروع کی تھی تو سوال یہ ہے کہ ان کی ریاست کیوں حکومت کے اکثر عناصر سے عاری تھی؟ اور کیوں ہم ان کے قاضیوں اور والیوں کے تقرر کے طریقے

سے ناواقف ہیں؟ آپ نے کیوں اپنی رعیت کو نظام مملکت اور قواعد شوریٰ نہ بتائے تھے؟ اور کیوں آپ کے زمانے کے نظام حکومت کے بارے میں علماء حیرت اور اضطراب میں ہیں؟ کیوں؟ آگر کیوں؟ ہم چلتے ہیں کہ ہم اس چیز کا مشا جان لیں جو دیکھنے والوں کو عہد نبوی میں بناء حکومت میں ابہام اضطراب یا نقش نظر آتی ہے یا جو آپ کا جئی چاہے اسے کہہ یجھے یہ کیوں تھا اور اس کا راز کیا تھا؟

وہ لوگ جو اپنے اس اعتقاد پر مصر ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک نئے دین کی دعوت اور ایک نئی ریاست کی بنیاد کا ارادہ لے کر اٹھے تھے اور جو یہ اسرار کرتے ہیں کہ وہ ریاست جس کی بنیاد آنحضرت نے اٹھائی تھی اس کے بنیادی مسائل امور اور کاروبار وحی خداوندی سے طے پاتے تھے اور اسی پر ان کا مدار تھا اور اسی سے اس کا نظام جلتا تھا، یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عہد نبوی کا نظام حکومت اپنے کمال کی اہتمام بخیج گیا تھا جسے عقل انسانی سمجھنے سے قاصر ہے اور جس تک سمجھنے سے فکر انسانی عاجز ہے ان لوگوں سے جب اس کا راز پوچھا جائے جو بظاہر نظام حکومت میں نقش اور اس کے قواعد میں ابہام معلوم ہوتا ہے تو وہ اپنے جواب میں ان اسلوبوں میں سے کوئی اسلوب اختیار کر لیتے ہیں جنہیں ہم سہاں بیان کرتے ہیں۔

(۱۴) ”تخریج الدلالات السمعیة“ کے مصنف نے (جس سے رفاد بک متفق ہیں) اس تمام بحث سے بڑی آسانی سے خلاصی پالی ہے، ان کا خیال ہے کہ حکومت نبوی میں ہر وہ بات موجود تھی جو کسی ریاست کے لئے ضروری ہے مثلاً مختلف عمال شعبے مضمبوط نظام محدود قواعد اور مفصل اور نکلن سن اس کے بعد نہ تو کسی نئی بات کی تفہیش ہے اور نہ کسی انسانے کی ضرورت۔

جو کچھ ہم چھلے کہے جکے ہیں شاید اس کی موجودگی میں اس قول کو دہرانے کی ضرورت نہیں ۔

(۱۳) وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ اس رائے کی تائید ایک اور طریقے سے ہو سکتی ہے شاید یہ کہے کہ ہمیں یہ عقیدہ رکھنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ عہد نبوی کا نظام حکومت بہت مضبوط اور محکم تھا، اور اس میں ہر وہ وجہ کمال موجود تھی جو ایک ایسی ریاست کے لئے جسے خدا کا رسول چلاتے، وہی جس کی تائید کرتی ہو اور فرشتے جس کی مدد کرتے ہوں، ضروری ہے مگر اس کے باوجودو ہم حقیقت کی تفصیلات کے علم تک نہیں پہنچ سکے، اور نہ یہ جان پائے ہیں کہ وہ کیا خصوصیات تھیں جن پر حکومت نبوی قائم تھی، یعنی وہ کون سا جامع نظام اور کون سی کامل حکومت تھی؟ یہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ راویوں نے اس بات کو پوری طرح ہم تک روایت نہیں کیا یا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے روایت کیا ہو لیکن ہم تک نہ پہنچ سکی ہو یا ممکن ہے کوئی اور سبب ہو ۔ ”وَمَا أُوتِيمَّرْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا“ (اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے) (۱۴)

(۱۵) یہ وہ روشن ہے کہ علماء کی عقل کا اسے فوراً ترک کر دینا ضروری نہیں ہمارے لئے بھی اس میں کوئی عرج نہیں کہ اس میں شک و بشہر شامل ہو کیونکہ ہم تاریخ نبوی کے بہت سے حالات سے ناواقف ہیں ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نہ صرف اس کے بلکہ اور بہت سی چیزوں کے بارے میں جتنا جانتے ہیں اس سے کہیں زیادہ نہیں جانتے ۔

اہل علم کا عقیدہ ہمیشہ یہ ہوتا چاہیے نہ بہت سے حقائق ان سے پوشیدہ ہیں اور ان کا یہ فرض ہے کہ وہ ہمیشہ ان اہل از کی تک پہنچنے میں لگے رہیں اور ان سے نئے نئے استنباط کرتے رہیں کیونکہ اسی سے علم کی زندگی اور نشواد

نہ پوشیدہ ہے لیکن ضروری نہیں کہ بعض حقائق سے ہماری ناواقفیت کا احتمال ہمیں اس بات سے با رکھے کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس کی تحقیق نہ کریں اور اس کے حقائق علی کو نہ سمجھیں انہی حقائق پر ہم احکام بنی کرتے ہیں اور اپنی رائے قائم کرتے ہیں اسی کے اسباب ہم بیان کرتے ہیں اور انہی سے نتائج کو پہنچتے ہیں - حتیٰ کہ ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کیا چیز اس کے خلاف ہے اور آخر کار ہمیں پورا پورا علمی ثبوت مل جاتا ہے ۔

اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حقیقت کا یقیناً احتمال ہے کہ حکومت نبوی کے نظام کے حالات ہم سے بخوبی ہیں ۔ شاید مرور ایام ہمیں یہ بتا دے کہ وہ نظام حکومت مثالی تھا ۔ لیکن مفروضہ ہمیں دوبارہ اس مسئلے کی طرف رجوع کرنے سے نہیں روکتا (اور ابھی تک ہمیں حقیقی طور پر یہ معلوم نہیں ہوا کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس کے مخالف کیا چیز ہے) یہ اس بات سے روکتا ہے کہ نبوی نظام حکومت کے اہم و شنکوک میں سے جو کچھ ہم اب تک جان سکے ہیں نئے سرے سے ان کا کھوج لگائیں اور ان کے راز اور معنی معلوم کریں

(۱۶) اس سوال کے جواب کا ایک اور طریقہ بھی ہے :

وہ یہ کہ جنہیں آج ہم ارکان حکومت ، نظام سلطنت ، اور اساس حکم کا نام دیتے ہیں یہ سب دراصل اتفاقی اور عارضی اصطلاحات ہیں اور مصنوعی نام ہیں اور درحقیقت یہ اس نظام مملکت کے لئے قطعاً ضروری نہیں جسے آپ فطری حکومت اور سادہ مملکت کہتے ہیں اور جو ہر قسم کے تکلف سے بے نیاز ہے اور ہر اس چیز سے بھی جس کی ضرورت سادگی اور فطرت کو ہرگز نہیں بوتی ۔

ہر وہ شخص جو حکومت نبوی کے مطالعے پر قادر ہے اسی ایک مفہوم

مکہ بہنچتا ہے کہ سلطنتِ نبوی ان تمام مظاہر سے خالی ہے جو آج علمائے سیاست کے نزدیک شہری یا مدنظر حکومت کے ارکان مجھے جاتے ہیں ۔ دراصل تو یہ غیر ضروری ہیں اور ان کا نہ ہوتا حکومت میں کسی کسی کا باعث نہیں اور نہ کسی غرابی یا نقص کا مظہر ہے جو ابہام کہ دولتِ نبوی میں نظر آتا ہے اس کی ایک تشریع یہ ہے :

(۱۴) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سادگی سے محبت رکھتے تھے اور تکف کو نا پسند فرماتے تھے اور آپ کی تمام خاص و عام زندگی اسی فطری اور خالص سادگی پر مشتمل تھی جس میں کوئی ملاوٹ، ریا یا تصنیع نہ تھا آپ اپنے قول و فعل سے اسی سادگی کی طرف دعوت دیتے تھے جیسا کہ جبیر بن عبد اللہ الجحلی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "اے جبررا جب تم بات کرو تو اختصار سے کام لو اور جب تم اپنی حاجت کو پا لو تو اعلان نہ کرتے پھر د" (۱۵)

آپ لوگوں سے بلا تکف ملتے جلتے تھے اور ان سے بڑی سادگی سے پیش آتے تھے اور یہ روایت کیا جاتا ہے کہ "آنحضرت اپنے اصحاب سے ہنسی مذاق کیا کرتے تھے" اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت کی طبیعت میں مزار موجود تھا" (۱۶) آپ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے "میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ تم سے مختلف ہوں کیونکہ خدا اس بندے سے نفرت کرتا ہے جو اپنے اصحاب میں ممتاز بنتا ہے؟" (۱۷) اور آپ کے بارے میں روایت کیا جاتا ہے کہ "آپ دو باتوں میں سے ہمیشہ آسان ترین اختیار کرتے تھے اگر اس میں گناہ نہ ہوتا" ۔ (۱۸) اور آپ نے ابو موسی اشری اور معاویہ سے فرمایا: "آسانی اختیار کرو اور سُنگی پیدا نہ کرو تم لوگوں کو خوشخبری دو اور انہیں متفرق نہ کرو"

آنحضرت ریا اور تکف سے نفرت کرتے تھے۔ آپ نے جسے الوداع میں

فرمایا۔ اے خدا! اس حج کو قبول فرمائے پاک اور صاف کر کہ اس میں خود توریا ہو اور نہ بناش (۱۹) خدا نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا: قل ما استلکم علیہ من اجر و ما انما من المتكلفین " (کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں) (۲۰) آپ شریعت خداوندی میں لوگوں کو ہمیشہ آسان اور سادہ راستہ اختیار کرنے کا حکم دیتے تھے اور انہیں تکلف سے روکتے تھے آپ نے فرمایا: "جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اس میں سے وہ کرو جس کی تم میں استطاعت ہو" اور آپ نے فرمایا یہ دین متنی ہے جس میں تم نزی سے گہرائی تک جاؤ" اور قرآن میں آیا ہے وما جعل عليکم فی الدین من حرج " (اور دین میں تم پر کسی قسم کی سختی نہیں کی) (۲۱)

اسی لئے تمام احکام شریعت میں آپ کو ایک بھی حکم ایسا نہیں ملے گا جو ان سادہ و صاف اور عام اصولوں کے خلاف ہو آپ نے لوگوں کو یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ نماز کے اوقات کے لئے سورج کے درجوں اور طوع قمر کا حساب لگاتے پھریں بلکہ اسے عام مشاہدے پر مبنی کیا کیونکہ ہر انسان حرکت شمس کو محسوس کر سکتا ہے اسی طرح آپ نے روزہ، حج اور دیگر مناسک کو حرکت قمر سے متعلق کیا اور حرکت قمر محسوس کی جا سکتی ہے اس کے لئے کسی حساب اور نجوم کی ضرورت نہیں آپ نے ہمیں یہ تکلیف بھی نہیں دی کہ ہم روزہ رکھنے کے لئے ہلal رمضان کا حساب لگانا شروع کر دیں بلکہ اسے روٹت ہلal سے منسوب کر دیا جوہر ایک کے لئے آسان ہے اور اس میں کوئی وقت نہیں، اسی بارے میں حدیث ہے کہ "نَحْنُ أَمْتَهَنَّ" (ہم سادہ اور فطری امت، میں) اور یہ حدیث کو "چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو۔۔۔" (۲۲) اور آپ نے ہمیں (رمضان میں) گھنٹوں اور منٹوں سے دن کا حساب

نگانے کی بھی تکلیف نہیں دی بلکہ اسے بھی ایک ایسی واضح چیز کے ساتھ مربوط کر دیا جو پوشیدہ نہیں : وکلو واشر بو احتی تبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الى الیل (اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تمہارے لئے سفید دھاری سیاہ دھاری سے فجر کے وقت ظاہر ہو جائے ، پھر روزوں کو رات تک پورا کرو) (۲۳)

آنحضرت امی تھے اور امیوں ہی کے رسول تھے ، اسی لئے آپ کی خاص دعام زندگی اور آپ کی شریعت ان امی اصولوں سے عاری نہ تھی اور نہ سادگی کے مقتضیات اور فطرت سلیم سے خالی تھی جن پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس لئے عہد نبوی کے نظام حکومت کے بارے میں ہماری رائے یہی ہے کہ یہ ایسا نظام تھا جس کا مقتضی فطری سادگی تھی اور اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانے کے اکثر نظام حکومت مخفی تکلف اور بناوت ہیں یہ مخفی غرافات ہیں ، نام و نمائش ہیں اور ملمع ہیں جنہیں مسلسل دیکھتے رہنے کی وجہ سے ہم ان سے مanos ہو گئے ہیں (۲۵) مہماں تک کہ اب ہم انہیں ارکان حکومت اور اصول نظام تصور کرتے ہیں حالانکہ اگر عنور کیا جائے تو ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے ۔

عہد نبوی کے نظام حکومت میں جو بات ہمیں اہم ، خلل یا نقص نظر آتی ہے دراصل وہ اس کی فطری سادگی ہے ، اور وہ فطرت ہے جس میں کوئی عیب نہیں ۔

(۱۸) - اگر ہمارا ارادہ ہو کہ ہم ان بیان کردہ رستوں میں سے کوئی راستہ اختیار کریں تو یہ رائے سب سے زیادہ قبول کرنے کے لائق ہے کیونکہ یہ دین سے زیادہ قریب ہے لیکن ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم اسے اختیار کر لیں کیونکہ اگر عنور کیا جائے تو یہ غیر وحیہ اور غیر صحیح نظر آتی ہے ۔

یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے اکثر نظام حکومت بعض تکف اور بناوٹ ہیں اور ان میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی طرف طبع سلیم باکل ہو اور جو فطرت صحیح کو پسند ہو لیکن یہ حقیقت ہے جس میں کوئی شہر نہیں کہ نظام حکومت کے جو اصول فی زمانہ بیان کئے جاتے ہیں ان میں نہ تو تکف ہے اور نہ بناوٹ اور نہ کوئی ایسی بات جو سادہ اور فطری ذوق کے منافی ہے اس کے برعکس وہ ضروری اور مفید ہیں کسی ایسی حکومت کے لئے جو تہذیب و تمدن کی مالک ہو، انہیں قبول کرنے سے غفلت برستا مناسب نہیں کیا یہ بات طبع سلیم اور فطرت صحیح کے مطابق ہے کہ کسی ریاست کا میرانیہ نہ ہو جس میں آدمی اور خرچ کا حساب ہو؛ یا یہ کہ اس کے وہ مختلف شبے نہ ہوں جو اس کے داخلی اور خارجی معاملات کے نگران ہوں ؟ نہ صرف یہ بلکہ اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی عہد نبوی ہے نہ پائی جاتی تھی، اور نہ آنحضرت نے ان کی طرف کوئی اشارہ ہی کیا ہے، ریاست نبوی میں ان باتوں کے نہ ہونے کا جواز پیدا کرنا کہ وہ سلامت فطرت اور تکف ہے احتراز پر بنی تھی ایک ناقابل قبول غلطی ہے - ان مشکلات کے حل کے لئے ہمیں کوئی اور وجہ تلاش کرنی چاہیئے ۔

تیسرا باب

نبوت نہ کہ حکومت۔۔ دین شہ کہ دولت

(۱) - نبی کرم کی رسالت ۔۔ ۲ - نبوت نہ کہ حکومت اور دین نہ کہ دولت ۔۔ ۳ - آنحضرت رسول تھے نہ کہ بادشاہ ۔۔ ۴ - حکومت کی زعامت اور رسالت کی زعامت ۔۔ ۵ - انبیاء کا کمال ۔۔ ۶ - آنحضرت کا مخصوص کمال ۔۔ ۷ - "ملک" و "حکومت" وغیرہ الفاظ سے کیا مراد ہے اس کی تعین و تعریف ۔۔ ۸ - قرآن اس بات کی نفی کرتا ہے کہ آنحضرت حاکم تھے ۔۔ ۹ - اور سنت بھی ۔۔ ۱۰ - اسلام کی فطرت بھی اس سے منکر ہے ۔۔ ۱۱ - مظاہر سلطنت میں سے جو مظاہر معلوم ہوتے ہیں ان کی تاویل ہے ۔۔ ۱۲ - خاتمہ بحث)

(۱) - یہاں چند ایسے دشوار گزار راستے آجاتے ہیں جن کو طے کرنا ان لوگوں کے لئے آسان نہیں جو یہ چلتے ہیں کہ منطق اس اعتقاد میں ان کی رہنمائی کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف رسول تھے بلکہ سیاسی حاکم اور ایک سیاسی سلطنت کے بانی بھی تھے ہم نے دیکھا ہے کہ جب کبھی وہ لوگ ایک لغوش سے سنبھالنا چاہتے ہیں ، چند اور لغوشیں ان سے سرزد ہو جاتی ہیں اور جب بھی وہ اس مشکل سے نجات پانے کا ارادہ کرتے ہیں یہ مشکل انہیں پھر درپیش ہو جاتی ہے اور تکلیف وہ بن جاتی ہے ۔۔
جو کچھ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس کے بعد صرف ایک ہی رائے باقی

رہ جاتی ہے ممکن ہے آپ اسی کو واضح راستہ سمجھ لیں جس میں نہ تو ٹھوکر لگنے کا ذر ہے اور نہ اس میں دشواریاں ہیں اس راستے میں نہ تو بھیلنے کا اندیشہ ہے اور نہ اس کی خاک کسی کو چھپا سکتی ہے یہ راستہ تمام تکلیفوں سے پاک ہے اور تمام مشکلات سے خالی ہے ، اور وہ قول یہ ہے کہ آنحضرت خالص دین کے لئے دعوت کے رسول ہونے کے سوا اور کچھ نہ تھے اس دعوت دین میں نہ تو حکومت کی خواہش شامل تھی اور نہ اس میں کسی سلطنت کی دعوت تھی کیونکہ آنحضرت کے پاس نہ تو بادشاہت تھی اور نہ حکومت ، اور نہ آپ کسی مملکت کی بنیاد ان معنوں میں رکھنے کے لئے تشریف لائے تھے جن معنوں میں آج کل سیاست کا لفظ اور اس کے مراد فات لئے جاتے ہیں آپ اپنے سے ہیلے انتباہ کی طرح صرف نبی تھے اور آپ نہ تو بادشاہ تھے نہ کسی سلطنت کے بانی تھے اور نہ حکومت کے دعویدار تھے ۔

یہ قول غیر معروف ہے اور ممکن ہے کہ یہ مسلمانوں کی سماحت پر ناگوار گزرے لیکن اس میں وزن ہے اس لئے غور و فکر ضروری ہے ، اور اس میں مضبوط دلیل ہے ۔

(۲) - اس سے پیشتر کہ ہم اس کی تشرع کریں ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو اس خطاب اور لغزش سے آگاہ کر دیں جو انہیں پیش آسکتی ہے اگر وہ اچھی طرح غور نہ کریں اور اس مسئلے کا اچھی طرح مطالعہ نہیں کرتے ، وہ یہ ہے کہ رسالت بذات خود رسول کو اپنی قوم میں ایک خاص قسم کی زعامت یا قبادت اور امتیاز اور ان پر اختیار عطا کر دیتی ہے لیکن یہ چیز قطعاً بادشاہوں کے امتیاز ، ان کے اپنی رعیت پر اختیار اور قدرت سے مشابہ نہیں اس لئے رسالت کی زعامت اور بادشاہت کی زعامت کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے ان میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ بہت بعد ہے اسی طرح آپ نے یہ دیکھ

یا ہے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی لپٹے پیر داؤں پر سرداری اور اقتدار ملکیت کی سرداری سے بہت مختلف ہے ، اور اسی طرح اکثر انبیا کا اقتدار ہے ۔

(۳) دین کی سچی دعوت کے لئے قدرتی طور پر سب سے پہلے تو رسول میں ایک خاص قسم کے کمال حواس کی ضرورت ہے اسی لئے اس کے اعضا نے جسمانی ، حواس اور عقل میں کوئی نقش نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو لوگوں کو تیز کرے اسی لئے یہ ضروری ہے ۔۔۔۔۔ کیونکہ وہ قائد ہے ۔۔۔۔۔ کہ اس میں ہبیت ہو جو دلوں میں رعب ڈال دے اور جاذبیت ہو جو مردوں اور عورتوں کو اس کی محبت پر مائل کر دے اس کے علاوہ نبی میں روحانی کمال بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے فرض منصی کے سبب اس کا اتصال خداوند تعالیٰ سے ضروری ہے ۔

رسالت کے لئے نبی کو اپنی قوم میں خصوصی اجتماعی امتیاز بھی درکار ہے جیسا کہ آیا ہے کہ ”خدا جب کسی نبی کو مبعوث کرتا ہے تو اسے اپنی قوم میں عزم اور لپٹے قبیلے میں رعب بھی بخشتا ہے ۔“ (۱) رسالت نبی کو محمدؐؐ پر قوت بھی عطا کرتی ہے کیونکہ اس کا فرض قول کو نافذ کرنا اور دعوت کو قبول کرانا ہوتا ہے خدا رسالت کو بیکار اور عبث چیز نہیں سمجھتا اگر وہ کسی رسول کو حق پر مبعوث کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کی دعوت کی تکمیل ہو اور اس کے اصول دنیا کی لوح محفوظ پر نقش ہو جائیں اور اس دنیا کے حقائق میں شمار ہوں ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيَطَّاعَ بَذِنِ اللَّهِ“ (اور ہم نے کبھی کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے) (سورۃ النساء : ۲۳)

نَعُوذُ بِإِلَهٍ أَخْدَى وَدَعْتُ عَنِ الْكُفَّارِ کہ وہ خالق کی جائے اور نہ وہ رسول کو اس لئے مبعوث کرتا ہے کہ اس کا مذاق اڑایا جائے ” و

لقد استهزى برسل من قيلك فحاق بالذين سخروا منهم ما
كانوا اب يستهزون قل سير وافى الارض ثم انظر واكيف كان
عاقبة المكذبين (تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے
پھر جن لوگوں نے ان سے مذاق کیا تھا انہیں اسی عذاب نے آگھرا جس کا وہ
مذاق اڑاتے تھے کہ دو کہ زمین میں پھر پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا
انجام ہوا) (سورة الانعام (۶) : ۱۱ - ۲۰)

و يرید اللہ ان يحق الحق بكلماته ويقطع دابر الكافرین ويبطل
الباطل ولو كره المجرمون ” (اور اللہ چاہتا تھا کہ پہنچ حکم سے حق
کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کو ثابت کر دے اور
باطل کو مٹا دے اگرچہ گہنگار ناراض ہوں) (سورة ”الأنفال (۸) : ۷ - ۸)
” ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين انهم لهم
المنصوروں ۵ و ان جند نالهم الغالبون ۵ ” (اور ہمارا حکم
ہمارے بندوں کے حق میں جو رسول ہیں پہلے سے ہو چکا ہے بیشک وہی مدد
ویسے جائیں گے اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا) (سورة الصافات
(۳۰) : ۱، ۲، ۱۱) - انا لننصر رسلينا والذين امنوا في الحياة الدنيا
يوم يقوم الاشهاد يوم لا ينفع الظالمين معذرتهم و لهم
اللعنة و لهم سوء الدار ” (ہم پہنچے رسولوں اور ایمانداروں کے دنیا کی
زندگی میں بھی مددگار ہیں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے جس دن
ظالمون کو ان کا عذر کرنا کچھ بھی نفع نہ دے گا اور ان پر پھٹکار پڑے گی اور
ان کے لئے برا آگھر ہو گا) (سورة المؤمن (۳۰) : ۵۲ - ۵۱)

منصب رسالت کا تقاضا یہ ہے کہ رسول کے پاس اس سے بھی زیادہ
و سیع اقتدار ہو جو حاکم کا مکھوموں پر اور باپ کا اولاد پر ہوتا ہے -

رسول کو بھی اپنی امت پر اسی طرح اختیار و اقتدار حاصل ہوتا ہے جس طرح بادشاہوں کو لیکن اس کا عہدہ ایسا ہے کہ صرف وہی اس کا اہل ہے اور کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں یہ اس کے منصب کا اقتضاء ہے کہ وہ ان روحوں سے مل جائے جو جسموں میں ہوتی ہیں اور جبابات کو اٹھا دے تاکہ وہ ان کے دلوں کے حالات جان لے جو سینوں میں ہیں اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے پیروں کے دل چاک کر دے تاکہ وہ محبت اور بغض کے نبیوں تک پہنچ جائے اور نیکی اور بدی کے سرچشموں کو پالے اور خیالات کے مرکزوں تک پہنچ جائے تاکہ وہ خدشات کی کمین گاہوں نیتوں کے سوتون اور اخلاق کے دفینوں کو حاصل کر لے سیاست عامہ میں اس کا عمل ظاہر بھی ہوتا ہے اور ایک شریک اور دوسرے شریک ، ایک حلیف اور دوسرے حلیف ، آقا و غلام اور باپ بیٹے کے درمیان تعلقات کو استوار کرنے میں اس کا عمل مخفی بھی ہوتا ہے اسی طرح ان تعلقات کو نبلہنے میں بھی جن کا علم صرف خاوند اور بیوی کو ہوتا ہے اسے ظاہر و باطن کی ہدایت حاصل ہے جسمانی اور روحانی امور کی اور ہمارے ارضی و سماوی تعلقات کی تدبیر کا بھی حق حاصل ہے اور اسے دنیا اور آخرت کی سیاست حاصل ہے ۔

رسالت کے لئے یہ بھی ضروری ہے ۔۔۔۔ اور یہ بہت بڑی چیز ہے (جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں ، کہ نبی کو ہر نفس سے اتصال کا حق حاصل ہو ۔ ایسا اتصال جو ہدایت اور تدبیر پر مبنی ہو ، اور ہر دل پر اسے اختیار حاصل ہو ۔ ایسا اختیار جو غیر محدود ہو ۔

(۲) اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ آنحضرتؐ کی رسالت کے ساتھ بہت سی ایسی باتیں مخصوص تھیں جو آپؐ کے علاوہ کسی اور نبی کو حاصل نہیں تھیں ۔ آنحضرتؐ ایک ایسی دعوت لے کر آئے تھے جس کے لئے خدا نے

آپ کو منتخب کیا تھا کہ آپ سب لوگوں کو اس کی طرف بلائیں، اور آپ کے لئے یہ مقدور کیا تھا کہ وہ دعوت مکمل طور پر لوگوں کے پاس بخیج جائے اور وہ اس وقت تک اس کی دعوت دیتے رہیں جب تک کہ دین مکمل نہ ہو جائے اور نعمت کی تکمیل نہ ہو جائے جب تک کہ فتنہ نہ مت جائے اور دین خالص خدا کے لئے نہ رہ جائے ایسی رسالت کے لئے نبی میں ایسا کمال ضروری ہے جو فطرت بشر کا مہتا ہو۔ اس کے پاس لامحدود نفسیاتی قوت ہو جو خدا اپنے منتخب انبیا کے لئے مستعين کر دیتا ہے اور اسے خداوندی تائید حاصل ہو جو اس عظیم دعوت عامہ کے شایان شان ہو۔

خدا نے فرمایا ہے ”وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (اور اللہ کا تم پر بہت بڑا فضل تھا) سورۃ ”النساء“ (۲) : ۱۱۳) اور فانک باعیننا (بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے میں) سورۃ الطور ” ۵۲ : ۲۸) اور حدیث میں ہے کہ ”خدا کی قسم اخدا آپ کو کبھی شرمسار نہیں کرے گا۔ (۲) اور یہ بھی کہ ”میں خدا کے نزدیک آدم کے بیٹوں میں سے سب سے اچھا ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں“ (۳) ۔

اسی وجہ سے آنحضرت کا اقتدار رسالت کے اتفاقاً کے سبب اقتدار عام تھا اور آپ کا حکم مسلمانوں کے لئے واجب اطاعت تھا اور آپ کی حکومت عالمگیر تھی اسی لئے کوئی امر ایسا نہ تھا جو حکومت کے اختیار میں تو ہو لیکن آنحضرت کے اقتدار سے باہر ہو، اور قیادت و سلطنت کی کوئی قسم ایسی تصور نہیں کی جاسکتی کہ جو آپ کی مسلمانوں پر ولایت میں داخل نہ ہو۔

جب عقل اس کی اجازت دیتی ہے کہ ان درجوں میں تفاوت ہو جو رسول کو اپنی اپنی امت میں حاصل ہوتے ہیں تو آنحضرت سب انبیا، سے زیادہ اس بات کے مستحق ہیں کہ آپ کو اپنی امت پر سب سے زیادہ اقتدار حاصل

ہو اور آپ کا قول سب سے زیادہ مقبول ہو، یعنی آپ کو نبوت کی طاقت، رسالت کا اقتدار اور دعوت صادقہ کا نفاذ حاصل ہو جن کے لئے خدا نے یہ مقدور کیا تھا کہ وہ دعوت باطل پر حاوی ہوں اور دنیا میں ہمیشہ قائم رہیں۔ یہ وہ اقتدار ہے جو خدا آسمان سے ان لوگوں کے پاس بھیجا ہے جن کے پاس ملائکہ اس کی طرف سے وحی لے کر آتے ہیں یہ وہ مقدس طاقت ہے جس کے لئے خدا کے انبیاء ہی مخصوص ہیں اس میں ملوکیت کا کوئی عنصر موجود نہیں نہ تو اس سے بادشاہوں کی قوت مشابہ ہے اور نہ سلاطین کا اقتدار ہی اس کے مثال ہے۔

یہ اقتدار اس لئے ہے کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلایا جائے اور ان تک رسالت کو ہنچایا جائے یہ ملوکیت کا اقتدار نہیں ہے کیونکہ وہ رسالت دین اور حکم نبوت ہے نہ کہ حکم سلاطین۔

ہم آپ کو دوبارہ آگہ کئے دیتے ہیں کہ ان دو حکموں کو خلط ملط نہ کیجئے اور ان دونوں ولایتوں کو ایک نہ کجھیئے یعنی ولایت رسول بھیشت رسول اور ولایت ملوک دامترا۔

رسول کی اپنی قوم پر ولایت، ولایت روحانی ہے جس کا منع دل کا ایمان ہے جس کا خضوع ایسا صادق اور مکمل خضوع ہے جو خصوص جسم کا تابع ہے حاکم کی ولایت مادی ولایت ہے جو دلوں کے اتصال کی بجائے جسموں کے خضوع پر اعتماد کرتی ہے۔ وہ ولایت خدا کی طرف دعوت دیتی ہے اور اسی کی طرف رہنمائی کرتی ہے یہ ولایت زندگی کی مصلحتوں کی تدبیر اور دنیاوی ضرورتوں کی خاطر ہے وہ دین کے لئے ہے یہ دنیا کے لئے، وہ خدا کے لئے ہے یہ لوگوں کے لئے، وہ دینی سرداری ہے یہ سیاسی اور غور کچھیئے کہ سیاست اور دین میں کس قدر بعد ہے۔

(۵) - ہم چلہتے ہیں کہ اب آپ کی توجہ ایک اور بات کی طرف مبذول کریں ، چند کلمات الیے ہیں جو بعض اوقات تو مترادف معنوں میں اور بعض دفعہ متفاہ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں بعض صورتوں میں ان سے پریشانی اختلاف نظر اور اضطراب پیدا ہوتا ہے ان کلمات میں سے چند یہ ہیں بادشاہ ، سلطان ، حاکم ، امیر ، خلیفہ ، دولت مملکت ، حکومت ، خلافت وغیرہ : جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کیا آنحضرت بادشاہ تھے یا نہیں ؟ تو ہمارا مقصد صرف یہ پوچھنا ہوتا ہے کہ کیا آنحضرت سے صفت رسالت کے علاوہ کوئی اور صفت بھی منوب تھی جس کی رو سے یہ کہنا درست ہو کہ آیا آپ نے کسی وحدت سیاسی کی عملی بنیاد رکھی تھی یا رکھنی شروع کی تھی ؟ یہاں لفظ " بادشاہ " کے استعمال کا مطلب ایسی امت کا حاکم ہے جسے وحدت سیاسی و مدنی حاصل ہو (اسے آپ خلیفہ کہیں یا سلطان یا امیر جو جی چاہے کہہ لیں) اسی طرح حکومت ، دولت ، سلطنت مملکت وغیرہ سے ہماری مراد وہ ہے جو علماء سیاست Government یا State یا Kingdom سے لیتے ہیں ۔

ہمیں اس میں قطعاً شک نہیں کہ اسلام وحدت دینی ہے اور مسلمان بحیثیت قوم ایک جماعت ہیں ، آنحضرت نے اسی وحدت کی دعوت دی تھی اور اپنی وفات سے قبل اسے پورا کر دیا تھا - آنحضرت اسی وحدت دینی کے سربراہ تھے وہی صرف اس کے امام اور وہی اس کے مدبر تھے ، اور آپ الیے قاید تھے جن کی بات نالی نہ جاتی تھی اور جن کے قول کی مخالفت نہ ہوتی تھی - اسی وحدت اسلامی کی خاطر آپ نے زبان و سناں سے جنگ کی اور آپ کو خدا کی طرف سے فتح و نصرت حاصل ہوئی ، خدا کے فرشتوں نے آپ کی مدد کی اور آپ کو تقویت ہم پہنچائی یہاں تک کہ آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا اور اس کی امانت کو پورا کیا - آپ کو اپنی قوم پر وہ اقتدار حاصل تھا جو آج تک آپ سے

بھلے یا آپ کے بعد کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوا : "النبی اولی بالمومنین من انفسہم" (نبی خود مسلمانوں سے زیادہ ان کے قریب ہے یعنی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے ۔۔۔۔ سورۃ الاعراب "

(۳۳) (۶)

"وما كان لعومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسول امرأ
ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد
ضل ضلالاً مبيناً" (کسی مومن مرد یا عورت کے لئے یہ مناسب نہیں کہ
جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیں تو انہیں اپنے کام میں کوئی
اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی تافرمانی کی تو وہ صریح
گمراہ ہوا ۔۔۔ سورۃ الاعراب" (۳۴) (۳۴)

جو شخص یہ چاہے کہ اس وحدت دینی کو "دولت" کا نام دے یا
آنحضرت کے خالص بنوی اقتدار کو اقتدار، سلطنت یا خلافت کہے اور آنحضرت
کو بادشاہ، خلیفہ یا سلطان کا لقب دے تو اسے اس کی اجازت ہے کیونکہ یہ تو
صرف نام ہیں جن پر ہمیں زیادہ غور و فکر نہیں کرنا چاہئے، اہم بات تو (جو ہم
کہہ چکے ہیں) صرف مطلب و مفہوم ہے اور اسے ہم بھلے ہی متعین کر چکے ہیں

اہم بات یہ ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ آنحضرت کی اپنی قوم میں
سرداری اور امتیاز امتیاز بتوت تھا یا امتیاز سلطنت؟ اور وہ مظاہر ولایت جنہیں
ہم سیرت بنوی میں اکثر پاتے ہیں سیاسی دولت کے مظاہر تھے یا دینی ریاست
کے؟ اور وہ وحدت جس کے سربراہ آنحضرت تھے کیا حکومت و دولت کی وحدت
تھی یا صرف وحدت دینی تھی نہ کہ سیاسی بھی؟ اور آخر میں یہ بھی کہ کیا رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول تھے یا رسول اور بادشاہ دونوں تھے؟

(۶) - قرآن مجید کے غواہر اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ آنحضرت کا سیاسی حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس کی آیات اس بات کی شاہد ہیں کہ آپ کا سماوی عمل اقتدار کے ہر معنی میں شخص بلاغ کی حدود کے اندر تھا جس میں حکومت کا کوئی شانہ بیک نہ تھا ۔

من يطع الرسول فقد اطاع الله ومن تولى فما ارسلنك
عليهم حفيظا (سورة "النساء" ۸: ۳)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے منہ موزا تو ہم نے تمہیں ان پر نگران بنایا کرنے نہیں بھیجا ۔

وکذب به قومك وهو الحق قل لست عليكم بوکيل ۵ لکل
نباء مستقر وسوف تعلمون ۵ (سورة الانعام ۶: ۶۶-۶۷)
اور تمہاری قوم نے اسے جھٹلایا ہے حالانکہ وہ حق ہے کہدو، میں تمہارا ذمہ دار نہیں بنایا گیا ہر خبر کے ظاہر ہونے کا وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے ۔

اتبع ما اوحى اليك من ربك لا إلٰه الا هو و اعرض عن
المشركين ۵ ولو شاء الله ما اشركوا وما جعلناك عليهم
حفيظاً وما انت عليهم بوکيل (سورة "الانعام" ۶: ۱۰-۱۶)

تم اس کی اطاعت کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہیں وہی دی گئی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے منہ پھری لو، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے، اور ہم نے تمہیں ان پر نگران نہیں بنایا اور نہ تم ان کے ذمہ دار ہو ۔

ولو شاء ربك لامن من في الأرض كلهم جمِيعاً افانت تكره

الناس حتى يكُونوا مُؤمِّنين ۵ (سورة "يونس" (۱۰: ۹۹))
 اور اگر تمہارا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے
 آتے پھر کیا تم لوگوں پر زبردستی کرو گے کہ وہ ایمان لے آئیں -
 قل يا آیہا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحُقْقُ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَهْتَدَ فَإِنَّمَا
 يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضْلُلُ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ
 بِوْكِيلٍ (سورة "يونس" (۱۰: ۸))

کہہ دو - اے لوگو! تمہیں تمہارے رب کی طرف سے حق پہنچ چکا ہے جس نے
 ہدایت پائی تو اس نے اپنے ہی لئے ہدایت حاصل کی اور جو گمراہ ہوا تو اس کا
 وباں اسی پر پڑا اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں -
 وما أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ وَكِيلًا (سورة "الاسراء" یا بنی اسرائیل
 ۱۱: ۵۳)

اور ہم نے تمہیں ان پر ذمہ دار بننا کر نہیں بھیجا -
 ارایت مِنْ اتَّخَذَ الْهُوَاهُ افَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (سورة
 "الفرقان" (۲۵: ۳۳))

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔
 پھر کیا تم اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہو۔
 انا انْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنْ أَهْتَدَ فِلْفَسَهُ وَمَنْ
 ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضْلُلُ عَلَيْهَا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوْكِيلٍ (سورة الزمر
 ۳: ۳۹))

بے شک ہم نے یہ کتاب تم پر لوگوں کے لئے بھی اتاری ہے پھر جس نے
 ہدایت پائی تو اپنے لئے اور جو گمراہ ہوا وہ اپنے برھے کے لئے ہوا اور تم ان کے
 ذمہ دار نہیں ہو۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِ مِنْ حَفِظٍ ، إِنْ عَلَيْكُمُ الْبَلَاغُ - (سورة "الشوري" ۳۸ : ۲۲)

پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے تم کو ان پر حافظ بنانے کر نہیں بھیجا تھا را کام تو صرف پہنچا دینا ہے ۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَارٍ فَذَكْرُ بِالْقُرْآنِ
مِنْ يَخَافُ وَعِيدٌ (سورة "ق" ۵۰ : ۲۵)

ہم خوب جانتے ہیں جو وہ (مشک) کہتے ہیں تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، پھر قرآن سے اسے نصیحت کرو جو میرے عذاب سے ڈرتا ہو ۔

فَذَكْرُ اِنْمَالَتِ مَذْكُورٍ لِسْتُ عَلَيْهِمْ بِمَصْيَطِرٍ ۝ الْامْنُ تَوْلِي
وَكُفَّرٌ فَيَعْذِبُهُ اللَّهُ الْعَذَابُ الْاَكْبَرُ (سورة "الغاشیہ" ۸۸ : ۲۳)

پس تم نصیحت کرو، بے شک تم تو نصیحت کرنے والے ہو، تم ان پر کوئی داروغہ نہیں ہو لیکن جس نے منہ موڑا اور انکار کیا تو اللہ اسے بہت بڑا عذاب دے گا ۔

جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے قرآن صریح طور پر اس کی نفی کرتا ہے کہ آنحضرت لوگوں پر حفظ ہیں، یا وکیل یا جبار (۲) یا مصیط (گران، محافظ) قرآن نے آپ کو یہ حق بھی نہیں دیا کہ وہ طاقت اور جبر کو استعمال کریں تاکہ سب لوگ مومن بن جائیں جو حفظ اور مصیط نہیں وہ بادشاہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عام محافظت اور جبروت بادشاہ کے لوازم میں سے ہے اور اس کا اختیار غیر محدود ہوتا ہے۔ جو شخص امت کا وکیل نہیں وہ بادشاہ بھی نہیں اور خدا نے فرمایا ہے ”ما کان محمد ابا احمد من ر جا لکم“ ولکن

رسول اللہ و خاتم النبیین و کان اللہ بکل شی علیما" (سورہ
"الاحزاب")

(۳۳: ۲۰) (محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور
خاتم النبیین ہیں اللہ ہر بات کو جانتا ہے)

قرآن اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امت
پر رسالت کے حق کے علاوہ اور کوئی حق نہ تھا۔ اگر آپ بادشاہ ہوتے تو آپ
کا امت پر حق بادشاہت بھی ہوتا کیونکہ بادشاہ کا حق رسالت کے حق سے
 مختلف ہوتا ہے اور اس کی بزرگی اس سے الگ ہوتی ہے اور اس کا اثر بھی اس
کے اثر سے مختلف ہوتا ہے ۔

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو كنت اعلم
الغيب لاستكثرت من الخير و ما مسني السوء ان انا الانذير
وبشير لقوم يومون - (سورہ الاعراف: ۷: ۱۸۸)

کہہ دوا میں اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے اور
اگر میں غیب کی بات جان سکتا تو ہست سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے
تکلیف نہ پہنچتی میں تو محض ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں ان
لوگوں کو جو ایماندار ہیں ۔

فلعلک تارک بعض مایوحی الیک و ضائق بے صدر ک ان
یقولواولا انزل عليه کنز او جاء مع ملك انت نذير واللہ
على كل شی وکیل ○ (سورہ "حود" ۱۱: ۱۱)

پھر شاید تم اس میں کچھ چھوڑ دو گے جو تمہاری طرف وہی کیا گیا ہے اور ان کے
یہ کہنے سے تمہارا دل تنگ ہو گا کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتر آیا اور اس

کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا تم تو مغض ڈرانے والے ہو اور اللہ ہر بات کا ذمہ دار ہے ۔

انما انت منذرو لکل قوم هاد (سورة الرعد " (۱۳: ۷۱))
تم تو مغض ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا آیا ہے ۔
قل انما انا بشر مثلكم یوحى الی انما الہکم الہ واحد فمن
کان بر جو القاء رب فلیعمل عملاً صالحًا ولا یشرک بعبادته
ربه احداً ۰ (سورة الكھف: (۱۸: ۱۱))

کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہی ہوں میری طرف وہی بھیجی جاتی ہے
کہ تمہارا معبود فقط ایک ہی معبود ہے پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید
رکھے تو اسے چاہیئے کہ اچھے کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو
شریک نہ بنائے ۔

قل يا ايها الناس انما انا لكم نذير مبين (سورة "الحج " (۲۲: ۲۲)
(۳۹)

کہہ دو: اے لوگو! میں تو تمہیں صاف ڈرانے والا ہوں ۔
ان یو حی الی الا انما انا نذیر مبين ۵ (سورة "ص": (۳۸))
(۴۷).

مجھے تو یہی وہی کیا گیا ہے کہ میں تمہیں صاف ڈراوں ۔
قل انما انا بشر مثلكم یوحى الی انما الہکم الہ واحد (سورة
"حر السجدة" یا فصلت " (۶: ۳۱)

کہہ دو: میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں میری طرف یہی وہی بھیجی گئی ہے
کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے
جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے قرآن اس کی تصریح کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ

علیہ وسلم سوائے رسول کے اور کچھ نہ تھے جن سے پہلے اور بھی بہت سے انبیا گزر کچے ہیں یہ بھی واضح ہے کہ آپ کا کام صرف خدا کی رسالت کو لوگوں تک پہنچانا تھا اور اس بлагہ کے سوا آپ اور کسی چیز کے مکلف نہ تھے۔ آپ کا یہ فرض نہ تھا کہ آپ لوگوں کو بھر رسالت پر ایمان لانے کے لئے کہتے یا انہیں اس بات پر مجبور کرتے:

فَإِنْ تُولِّيْتُمْ فَاعْلَمُوا إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (سورة العنكبوت ۹۲: ۵۱)

پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَبْدِيلُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ (سورة العنكبوت ۹۹: ۵) رسول کے ذمے سوائے پہنچانے کے اور کچھ نہیں اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

أَوْ لَمْ يَقْرُؤُوا مَا بَصَارُوهُمْ مِنْ جِنْتَهُ أَنْ هُوَ الْأَنْذِيرُ مُبِينٌ (سورة الاعراف ۱۸۳: ۷)

کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (محمد) کو جنون تو نہیں ہے وہ تو کھلم کھلاڑانے والا ہے۔

إِنَّمَا عَجَباً لِلنَّاسِ إِنَّمَا عَجَباً لِلَّهِ الَّذِينَ أَنْذَرْنَا إِلَيْنَا رَجُلٌ مِنْهُمْ أَنْ نَذْرُ النَّاسَ وَبَشَّرَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدْرٌ صَدِيقٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (سورة یونس ۲۰: ۱)

کیا اس بات سے لوگوں کو تجھب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک کے پاس وہی بیحیج دی کہ سب لوگوں کو ڈرانے اور جو ایمان لا میں انہیں یہ خوشخبری سنائے کہ انہیں لپٹنے رب کے ہاں پورا مرتبہ ملے گا۔

وَإِنْ مَا نَرِينَكُ بَعْضَ الَّذِي نَعْدُهُمْ أَوْ نَتُوْفِينَكُ فَإِنَّمَا عَلَيْكُ
الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (سورة "الرعد" ۳۰: ۱۳)

اور یا تو ہم تمہیں یہ دکھادیں گے جو دھمکی ہم نے انہیں دی ہے یا انہیں اٹھا
لیں گے سو تمہارے ذمے تو ہچکارنا ہے اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے ۔
فهلٰ عَلٰى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (سورة "النحل" ۱۶: ۳۵)

پھر رسولوں کے ذمے تو صاف صاف ہچکارنا ہے
وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكُ الْكِتَابَ إِلَّا لِتَبْيَنَ لِهِمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ
وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُوْمَنُونَ (سورة "النحل" ۶۳: ۱۶)

اور ہم نے اسی لئے تم پر یہ کتاب اتاری ہے کہ تم انہیں وہ چیز کھوں کر بیتا دو
جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اور ایمانداروں کے لئے ہدایت اور رحمت بھی ہے ۔
فَإِنْ تُولُوا فَإِنَّمَا عَلَيْكُ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (سورة النحل ۸۲: ۱۶)
پھر بھی اگر وہ نہ مانیں تو تم پر صاف صاف پیغام ہچکارنا ہی فرض ہے ۔
وَمَا أَرْسَلْنَاكُ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (سورة "الاسراء" ۱۵: ۱۷)

اور ہم نے تمہیں صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔
فَإِنَّمَا يُسَرِّ نَاهٌ بِلْسَانَكُ لِتُبَشِّرَ بِالْمُتَقِينَ وَتُنذِّرَ بِقَوْمَ لَدَا
(سورة مریم: ۹۷: ۱۹)

سو ہم نے قرآن کو تمہاری زبان میں اس لئے آسان کیا ہے کہ تم اس سے
پر تیز کاروں کو خوشخبری سناؤ اور جھگڑ نے والوں کو ڈراو: ۵
طَرَ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكُ الْقُرْآنَ لِتُشْقِيَ طَرَ مَا تَذَكَّرَ لِمَنْ يَخْشِي
(سورة "ط" ۲: ۱ - ۳)

ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم ناکام رہو یا مصیت الٹھاؤ بلکہ اس شخص کے لئے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے ۔
وما علی الرسول الا البلاغ المبين ۵ (سورۃ "النور" ۲۳) (۵۳)

اور رسول کے ذمہ صرف صاف ہمچا رینا ہے ۔
وما ار سلناک الا مبشا وندیرا (سورۃ "الفرقان" ۲۵) (۵۶)
اور ہم نے تمہیں بعض خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔
انما امرت ان اعبد رب هذه البلدة الذى حرمهاوله كل شئ
وامرتم ان اكون من المسلمين ۵ وان اتلوا القرآن فمن
اهتدى فانما يهتدى لنفسه و من ضل فقل انما انا من
المُنذرين ۵ (سورۃ "النمل" ۹۱ - ۹۲) (۲۷)

مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے
مقدس بنایا ہے اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں
فرمانبرداروں میں سے ہوں ، اور یہ بھی کہ قرآن پڑھوں پھر جس نے ہدایت
پائی تو اس کے اپنے لئے ہے اور جو گمراہ ہوا تو کہہ دو کہ میں تو صرف ڈرانے
والوں میں سے ہوں ۔

وان تکذبوا فقد كذب امر من قبلکم وما علی الرسول الا
البلاغ المبين ۵ (سورۃ "العنکبوت" ۲۹) (۱۸)
اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے ہمیں بہت سی قومیں جھٹلا چکی ہیں اور رسول
کے ذمہ تو یہی صاف ہمچا رینا ہی ہے ۔

یا ایہا النبی انا ارسلنا ک شاہد او مبشا وندیرا ۵ و داعیا
الی اللہ باذن و سراجا منیرا ۵ (سورۃ "الاحزاب" ۳۳) (۳۶)

اے نبی ! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنائ کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنایا ہے ۔

وما ارسلناك الا كافته للناس بشيراً ونذيراً ولكن اكثرا الناس
لا يعلمون ۵ (سورة "سبا" : ۳۲ - ۲۸)

اور ہم نے تم کو سب لوگوں کی طرف خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنائ کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

ما بسا حبكم من جنتہ ان هو الا نذير لكم بین يدی عذاب
شديد (سورة "سبا" : ۲۶ - ۲۲)

تمہارے ساتھی کو جنون تو نہیں ہے وہ تمہیں ایک سخت عذاب آنے سے پہلے خبردار کرنے والا ہے ۔

ان انت الا نذيره انا ارسلنك بالحق بشيراً ونذيراً وان من امة
الاخلاقيها نذير ۵ (سورة "فاطر" : ۳۵ - ۲۳)

تم تو صرف ڈرانے والے ہو ہم نے تمہیں سچا دین دے کر خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنائ کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گزری کہ اس میں ڈرانے والا نہ گزر جکا ہو ۔

وما علينا الا البلاغ المبين ۵ (سورة "یس" : ۳۶ - ۱۷)

اور ہمارے ذے صرف کھلم کھلائے چکا دینا ہی ہے ۔

قل انما انا منذ رو ما من الا الا الله الواحد القهار ۵ (سورة "ص" : ۶۵ - ۳۸)

کہہ دو ! میں تو ایک ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو ایک ہے اور غالب ۔

قل ما كنت بدعا من الرسل وما ادرى ما يفعل بي ولا بكم ان
اتبع الا ما يوحى الىي وماانا الا نذير مبين . (سورة "الاحقاف"
(٩: ٣٦)

کہہ دو ! میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا
کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری
طرف وحی کیا جاتا ہے اور میں صرف صاف ڈرانے والا ہوں -
انا ارسلنا ک شاهدا و مبشر او نذیر ۵ (سورة الفتح (٨: ٣٨)
ہم نے تمہیں گواہ ، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنائے بھیجا ہے -
واطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول فان تولیتم فانما علی رسولنا
البلاغ المبين ۵ (سورة "التغابن" : (١٢: ٦٣)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم نے روگردانی کی تو
ہمارے رسول پر بھی واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے -
قل انما العلم عند الله و انما انا نذير مبين ۰ (سورة "الملک"
(٦٧: ٦٧)

کہہ دو کہ (اس کا) علم تو صرف اللہ ہی کو ہے اور میں تو صاف ڈرانے
والا ہوں -

قل انما ادعوا ربی ولا اشرك به احداہ قل انی لا املك لكم
ضرا ولا رشدا ۰ قل انی لن یجیرنی من الله احد ولن اجد من
دونه ملتحدا ۰ الابلغا من الله ورسالاته ۰ (سورة "جن" :
(٧٢: ٢٣ - ٢٤)

کہہ دو ! میں تو اپنے رب ہی کی طرف بلاتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو
شریک نہیں بناتا - کہہ دو : میں نہ تمہارے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ

بھلائی کا۔ کہہ دو: مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور نہ مجھے اس کے سوا پناہ ملے گی۔ مگر اللہ کا پیغام اور اس کا حکم ہہنچانا ہی ہے۔

(۴) اگر ہم کتاب اللہ سے سنت نبوی کی طرف رجوع کریں تو ہمیں بات زیادہ واضح اور دلیل زیادہ مصبوط نظر آتی ہے۔

صاحب السیرۃ النبویہ (۵) نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی کرم کے پاس کسی ضرورت سے آیا جب وہ آپ کے رو برو ہوا تو اس پر سخت کپکی اور رعب طاری ہو گیا، آنحضرت نے اس سے فرمایا: "اطمینان رکھو میں نہ تو بادشاہ ہوں نہ جبار، میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ میں سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔۔۔۔۔" حدیث میں آیا ہے کہ جب اسرافیل کی زبانی آپ سے یہ پوچھا گیا کہ آپ نبی اور بادشاہ بننا پسند کریں گے یا نبی اور عبد، تو آپ نے جبریل کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ کر رہے ہوں جبریل نے زمین کی طرف نظر کی اور تواضع کا مشورہ دیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ "جبریل نے مجھے تواضع برتنے کا مشورہ دیا تو میں نے نبی اور عبد بننا پسند کیا۔"

یہ بات بھی اس کا ثبوت ہے کہ آنحضرت ہرگز بادشاہ نہ تھے اور نہ آپ نے کبھی حکومت کی خواہش کی اور نہ آپ نے اپنے آپ کو کبھی اس طرف متوجہ کیا۔

آپ قرآن مجید کے اوراق میں کوئی ظاہر یا پوشیدہ اشارہ اس اعتقاد کے حق میں تلاش کریں (جو حامیان خلافت رکھتے ہیں) کہ دین اسلام میں سیاسی وصف بھی ہے اس کے بعد اس کے متعلق کوئی اشارہ حتی المقدور احادیث نبوی میں بھی ڈھونڈیں یہ دین کے وہ شفاف چشمے ہیں جن تک آپ کی

دسترس ہو سکتی ہے اور جو آپ کی رسائی سے باہر نہیں ، ان میں سے کوئی دلیل یا شہد دلیل ہی تلاش کریں یقیناً آپ کو اس بارے میں کوئی بہانہ نہ مل سکے گی سوائے شک و غلن کے ، اور غلن حقیقت سے بے نیاز نہیں کرتا ! (۵۳: ۲۸)

(۸) - اسلام کا مقصد خدا کی طرف دعوت دینا ہے اور یہ مختلف مذاہب میں سے ایک مذہب ہے جس کا مقصد نوع بشر کی اصلاح اور خدا کی طرف ہدایت ہے یہ ابدی سعادت کی ان راہوں کو کشادہ کرنے والا ہے جو خدا نے لپٹنے نیک بندوں کے لئے تیار کی ہیں یہ وہ وحدت دینی ہے جس سے خداوند تعالیٰ کا مقصد تمام بني نوع انسان کو مربوط کرنا ہے اور پورے کرہ ارض کا احاطہ کرنا ہے ۔

یہ اس دنیا کے لئے ایک پاکیزہ اور مقدس دعوت ہے تاکہ کالے اور گورے سب خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور ایک ہی امت بن جائیں ایک ہی خدا کی عبادت کریں اور اس کی عبادت میں بھائی بھائی بن جائیں یہ اس دنیا کی سلامتی بقا اور امن کے لئے ایک نصب العین کی طرف دعوت ہے اور اسے ایک حد کمال تک پہنچانے اور اس سعادت کے حاصل کرنے کی دعوت ہے جو اس کے لئے مہیا کی گئی ہے یہ زمین پر سماوی رحمت ہے اور دونوں جہانوں پر خدا کا فضل ہے ۔

یہ دعوت عالم جو دین میں بھائی چارہ قائم کرتی ہے ایک معقول دعوت ہے اور انسان کی فطرت میں اسے بچ ماننے اور اس پر عمل کرنے کی استعداد موجود ہے ۔

لیقیناً خدا نے اس دعوت کی تکمیل کا وعدہ فرمایا ہے :
فلا تحسبنَ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعِدَّهُ رَسُلُهُ (سورة "ابراهیم" : ۱۳)

(۳۷) پس اللہ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا خیال نہ کرو۔

وَعْدَ اللَّهِ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لِيُسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفُوا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلِيُمَكِّنَ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي أَرْتَصَ لَهُمْ وَلِيُبَدِّلَ لَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ آمَنُوا يَعْبُدُونَ نَّفْسَهُمْ لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمِنْ كُفْرِ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (سورة "النور" ۵۵: ۲۲)

اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لانے اور جہنوں نے نیک عمل کئے وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین کی حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو کی تھی اور ان کے لئے اس دین کو ضرور مسحوم کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دیگا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور جو اس کے بعد ناشکری کریں وہی فاسق ہوں گے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولًاٰ بِالْهُدَىٰ وَ دِينَ الْحَقِّ لِيُظْمِرَهُ عَلَى الْدِينِ كُلِّهِ وَ كَفِى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ (سورة "الفتح" ۳۸: ۲۸)

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے ہر ایک دین پر غالب کرے۔ اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔

وَمِنْ أَظْلَمُ مَنْ أَفْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذَبَ وَهُوَ يَدْعُى إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ بِرِيدُونَ لِيَطْغُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتَمَنِّنُ نُورٍ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولًاٰ بِالْهُدَىٰ وَ دِينَ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ (سورة "الصف" ۶۱: ۹ - ۷)

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ اسے اسلام کی

طرف بلایا جا رہا ہو ؟ اور اللہ قائم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ وہ چلہتے ہیں کہ خدا کا نور اپنے مونہوں سے بخدا دیں اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا۔ اگر چہ کافر بر امانتیں وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے سب دسنوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں ۔

یہ بات معقول ہے کہ تمام دنیا کو ایک ہی دین کی طرف دعوت دی جائے اور تمام انسانیت ایک ہی دحدت دینی میں پروائی جائے لیکن جہاں تک تمام حاکم کو ایک ہی حکومت کا پابند کرنے، اور ایک ہی مشترک سیاست کے تحت جمع کرنے کا تعلق ہے اس میں اس بات کا احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ فطرت انسانی سے خارج ہے اور خدا کا منشا مرکز اس سے منسوب نہیں، بلکہ یہ تو دنیاوی امور میں سے ہے جسے خدا نے ہمیں اپنی عقل علوم مصلحتوں اعراض اور خواہشات کے مطابق ڈھلانے اور چلانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا اس بات میں کہ لوگ ایک دوسرے سے مختلف رہیں خدا کی بہت بڑی حکمت ہے :

وَلَوْ شاءَ رَبُّكَ لِجَعْلِ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَرَوْنَ مُخْتَلِفِينَ
الَا مَنْ رَحْمَ رَبُّكَ وَلَذِلِكَ خَلْقُهُمْ (سورہ "ہود" ۱۱: ۱۱۹)

اور اگر تھارا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے سوائے اس کے جس پر تھارا رب رحم کرے اور اسی لئے انہیں پیدا کیا ہے ۔

اور اس لئے بھی کہ لوگوں میں وہ مدافعت باقی رہے جس سے خدا کا
نشانہ تہذیب و تدنی کی تکمیل ہے :

ولو لا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لفسدت الارض و لکن
اللہ ذو فضل علی العالمین ۵ (سورة "البقرہ" (۲۵۱:۲)

اور اگر اللہ بعض کے ذریعے دفع نہ کر دیتا تو زمین فساد سے پر ہو
جاتی لیکن اللہ جہان والوں پر بہت فضل (کرنے) والا ہے -

(یہ سب درست رہے گا) یہاں تک کہ "مقررہ میعاد" آجائے اور امر
خداوندی کی تکمیل ہو -

یہ دنیاوی اغراض ہیں اور آنحضرت نے اس کے بارے میں کوئی حکم
دینے یا اس کی تدبیر کرنے سے انکار کیا ہے - آپ نے فرمایا "تم لوگ اپنے
دنیاوی کاروبار کے بارے میں مجھ سے زیادہ علم رکھنے والے ہو" -

یہ اغراض دنیاوی میں سے ہے ، اور دنیا شروع سے لے کر آخر تک اور
جو کچھ اس میں ہے اغراض و خواہشات ہیں ، خدا کے نزدیک یہ تمام دنیاوی
امور بیچ ہیں کہ ان کی تدبیر کے لئے وہ لوگوں کو ان کی عقل کے مطابق عمل
کرنے کے علاوہ کچھ کہتا خدا نے ہمیں عقل بخشی ہے اور ہمیں ترغیبات اور لائچ
پر تسبیہ کی ہے - ہمیں اس نے ہر چیز کے نام سکھائے ہیں خدا اس بات کو
بے کار تصور کرتا ہے کہ وہ ان کی خاطر کوئی نبی بھیجے اور انبیاء کرام اس بات
کو لغو خیال کرتے ہیں کہ وہ انہی میں مشمول ہو جائیں اور انہیں کی تدبیر
سوچتے رہے -

(۹) - شاید آپ کو سیرت نبوی میں کبھی کبھار کوئی ایسی بات نظر
آجائے جو عمل حکومت یا سلطنت و دولت کا کوئی مظہر معلوم ہو - لیکن یہ
بات کہیں آپ کو شہر میں نہ ڈال دے کیونکہ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم
ہو گا کہ حقیقت یہ نہیں بلکہ یہ تو آنحضرت کے مختلف طریقوں میں سے ایک
طریقہ تھا جس پر وہ کبھی کبھی دین کے ثبات اور دعوت کی تائید کے لئے اعتماد

کرتے تھے۔

یہ بھی عجب نہیں کہ جہاد بھی انہیں طریقوں میں سے ایک طریقہ ہو یہ ایک سخت اور غالباً طریقہ ہے لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں بعض اوقات بھلائی کے لئے برائی ضروری ہو جاتی ہے اور اکثر تعمیر کے لئے تخریب لازمی ہو جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ ”آپ مفتوح کئے اور حکوم بنائے بغیر نہ رہ سکے“ ہم کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں میں سنت اللہ ہے ، اور دنیا میں ہمیشہ بدی اور نیکی ، نیکو کار اور بدکار لوگوں میں جنگ چلی آئی ہے جہاں تک کہ خدا کی مرضی پوری ہو

”جب خدا کسی بخربزیں کو زندہ کرنے ، اس کی پیاس بمحابنے اور اس میں خوش حالی فزوں ترکرنے کے لئے بارش نازل کرتا ہے تو کیا اس بات سے اس بارش کی قدر و قیمت کم ہو جائے گی کہ وہ اپنے راستے میں پہاڑوں کو رومندی ہوئی آئی اور پختہ ستونوں پر استادہ مکانوں کو گرا تی ہوئی آئی ؟“ (۶)

قالوا غزوٰت وَرَسُلُ اللّٰهِ مَابُعْثَتْ

لِقْتَلِ نَفْسٍ وَلَا جَاءَتْ لِسْفَكِ دَمٍ

(وہ کہتے ہیں کہ آپ نے جنگ کی در آں حالیکہ خدا کے رسول کسی کو قتل کرنے یا خون بہانے کے لئے نہیں بھیجے گئے تھے)

جهل و تضليل احلام و سفسفة

فتحت بالسيف بعد الفتح بالقلم

(یہ جہالت ہے ، واہے کی گمراہی اور کذب و افتراء آپ نے قلم سے فتح کرنے بعد تلوار سے فتح کیا)

لما اتى لک عفو اكل ذى حسب

تكفل السيف بالجهال والعمم

ا جب ہر معزٰ شخص آپ کے پاس از خود آگیا تو تلوار صرف جاہلوں اور عام لوگوں کی ضامن ہو گئی)

والشران تلق بالخير ضقت به

ذرعاً و ان تلق بالشر يتحسمر

(اگر تم برائی کا مقابلہ نیکی سے کرو تو تم عاجز آجائے گے لیکن اگر اس کا مقابلہ برائی سے کرو تو وہ مٹ جائے گی)

علمتمهم كل سثىء يجهلون بـ

حتى القتال و مافيه من الذمـ

آپ نے انہیں ہر وہ بات سکھائی جو وہ نہ جانتے تھے یہاں تک کہ جنگ اور اس سے متعلقہ قواعد و ضوابط اور ذمہ داریاں بھی (یہ)

(۱۰) - آپ نے دیکھ لیا ہے کہ یہ صرف قرآن ہی نہیں جو ہمیں اس اعتقاد سے منع کرتا ہے کہ آنحضرت رسالتِ دینی کے ساتھ ساتھ دولت سیاسی کی طرف بھی دعوت دیتے تھے اور نہ صرف تھا سنت ہی ہمیں اس بات سے روکتی ہے کتاب و سنت کے ساتھ عقل اور رسالت کے مفہوم و فطرت کا اتفاقنا۔ بھی ہمیں اس اعتقاد سے باز رکھتا ہے، آنحضرت کی مومنین پر ولایت، رسالت کی ولایت تھی اور اس میں حکومت کا کوئی عنصر شامل نہ تھا۔
لیقیناً! نہ تو یہاں حکومت تھی نہ ریاست، نہ اس میں سیاسی اغراض شامل تھیں اور نہ ملوك و امراء جیسی خواہشات۔

شاید اب آپ کو اس بات کا علم ہو گیا ہو جو آپ ہمیلے پوچھ رہے تھے یعنی عہد نبوی کا مظاہر حکومت اور اغراض ریاست سے عاری ہونا ۔۔۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ اس وقت حکومت کا نظام موجود نہ تھا اور نہ اس کے لئے والی، قاضی یا دیوان وغیرہ تھے شاید اب حریت کی وہ تاریکی جس سے آپ دو چار تھے نور میں بدل گئی ہو اور جسے آپ آتش سمجھتے تھے وہ بھی اور راحت میں ترکا۔

حصہ سوم

خلافت اور حکومت تاریخ میں

www.KitaboSunnat.com

پہلا باب

وحدت دینی اور عرب

(۱) اسلام صرف عربوں کا ہی دین نہیں ہے ۔ ۲ - ملک عرب اور دین (اسلام) ۔ ۳ - سیاسی اختلاف کے باوجود عربوں کا دینی اتحاد ۔ ۴ - اسلام کے اسالیب دینی ہیں نہ کہ سیاسی ۔ ۵ - عہد نبوی میں عربوں میں سیاسی امتیاز کی کمی ۔ ۶ - آنحضرتؐ کی موت سے سرداری کا خاتمه ۔ ۷ - آپؐ نے اپنے بعد کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا ۔ ۸ - خلافت علیؐ کے بارے میں شیعہ کا مذہب ۔ ۹ - ابو بکرؓ کی خلافت کے بارے میں جماعت مسلمین کا مذہب

(۱) جیسا کہ آپؐ نے دیکھا ہے اسلام ایک بہترین اور بلند ترین دعوت ہے ۔ جبے خدا نے ساری دنیا کے لئے بھیجا ہے خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی عرب ہوں یا عجمی، مرد ہوں یا عورت، امرا ہوں یا عزیزا، عالم ہوں یا جاہل، یہ وحدت دینی ہے، خدا کا مقصد یہ تھا کہ اس سے تمام نوع بشر کو مربوط کر دے اور ساری دنیا اس میں شریک ہو ۔ اس لئے اسلام صرف دعوت عربی نہیں تھا شہ ہی یہ وحدت عربی تھا اور نہ دین عربی، اسلام کسی امت کی دوسری امت پر کسی زبان کی دوسری زبان پر کسی علاقتے کی دوسرے علاقتے پر، کسی زمانے کی دوسرے زمانے پر یا کسی نسل کی دوسری نسل پر تقویٰ کے سوا کوئی

فوقیت تسلیم نہیں کرتا ، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت عرب تھے اور فطرًا عربوں سے محبت رکھتے تھے اور ان کی تعریف کرتے تھے ، اس کے علاوہ قرآن بھی عربی مسمیں میں تھا ۔

(۲) - اسلام کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ اس عالم وجود میں ظاہر ہو ، ایک محکم حقیقت بن کر اس دنیا کے حقائق میں شمار ہو اور خدا کی طرف سے اسے وہ رسول لے کر آئے جبے خدا نے منتخب کیا ہوتا کہ وہ اسے لوگوں تک پہنچائے ۔

خداوند تعالیٰ کی رضا یہ تھی کہ وہ اس دعوت کے لئے لپٹنے رسول کو صرف قبائل عرب ہی سے چھتے اور عربوں میں سے بھی اسماعیل کی اولاد میں سے منتخب فرمائے اور اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کو اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ کو پسند فرمائے ، اس میں خدا کی بہت بڑی حکمت ہے خواہ ہم اسے تسلیم کریں یا نہ کریں ۔

وربک يخلق ما يشاء ويختار ما كان لهم الخيرة سبحان الله و
تعالى عما يشركون وربك يعلم ما تكن صدورهم وما
يعلنون ۵ (سورة "القصص" (۶۸-۶۹: ۲۸)

اور تمہارا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہے پسند کرے ، انہیں (جوئے خداوں کو) کوئی اختیار نہیں ہے ۔ اللہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے اور تمہارا رب جانتا ہے جو ان کے دل چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں ۔

قرآن عربی میں ہے اور رسول بھی عربی ہے اس لئے فطری طور پر یہ ناگزیر تھا کہ دوسروں تک پہنچنے سے پہلے دعوت اسلام عربوں ہی میں شروع ہو یہ بات تبیب خیز ہے کہ عرب ہی سب سے پہلی قوم ثابت ہو جس کے کانوں

تک اس بشری اور نذیر کی آواز پہنچے اور جہیں یہ داعی سب سے ہٹلے خدا کی طرف بلائے اور جہیں سب سے ہٹلے وہ ہدایت پر مختص کرے، اسی لئے آنحضرت نے اس دعوت کی ابتدا سب سے ہٹلے لپنے قربی رشتہ داروں سے کی پھر قوم عرب میں آپ مسلسل اعلان حق کرتے رہے خدا کی مدد ان کے شامل حال رہی مہماں تک کہ سب کے سب آپ کی دعوت پر ایمان لے آئے اور وہ لوگ اس رسول امین کی قیادت کے تحت اس دین کی وحدت میں سب سے ہٹلے داخل ہونے والے تھے۔

(۲) جیسا کہ آپ جانتے ہیں بلاد عرب مختلف قسم کے عربوں سے آباد تھے، جن کے قبائل اور شعوب مختلف تھے اور الجھ بھی الگ تھے ان کے علاقے بھی ایک دوسرے سے دور دور تھے سیاسی وحدت کے لحاظ سے بھی ان میں بہت فرق تھا ان میں سے بعض تو روی سلطنت کے تابع فرمان تھے اور بعض مستقل طور پر خود محترم تھے اسی لئے ان تمام عرب قبائل میں حکومت کے طریقے، تدبیر و انتظام کے اسلوب اور آداب و عادات خود بخود مختلف تھے، اور ان میں بہت تفاوت تھی اسی طرح ان میں زندگی کے اقتصادی اور مادی پہلو بھی مختلف تھے۔

یہ مختلف النوع امتیں سب کی سب عہد نبوی میں دعوت اسلام کے گرد اور اس کے پرچم تلتے جمع ہو گئیں اور خدا کے فضل سے یہ سب لوگ بھائی بھائی بن گئے جہیں دین کا ایک ہی رشتہ آپس میں مربوط کرتا تھا اور صرف ایک مشترکہ ناطہ یعنی آنحضرت اور ان کا لطف و احسان، ان کو آپس میں ملاتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک ہی قوم بن گئے جن کا ایک ہی سردار تھا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

یہ وحدت عربی جو عہد نبوی میں نظر آتی ہے کسی صورت میں سیاسی

وحدت نہ تھی اور نہ اس میں دولت اور حکومت کے کوئی آثار تھے بلکہ یہ ہمیشہ ایک خالص دینی وحدت رہی جس میں سیاست کا شانہ بھی نہ تھا، یہ ایمان اور دین کی وحدت تھی نہ کہ حکومت اور ملوكیت کی وحدت۔

(۲) - سیرت نبوی سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کیونکہ ہمیں یہ قطعاً معلوم نہیں کہ آپ نے کبھی دوسری قوموں کے سیاسی معاملات میں کوئی دخل دیا ہو۔ نہ آپ نے ان قوموں کے طرز حکومت کو تبدیل کیا تھا اور نہ ہر قبیلے کے اپنے نظام حکومت و قضا کو بدلا تھا۔ آپ نے کبھی یہ کوشش نہ کی کہ ایک قبیلے کے دوسرے قبیلے کے ساتھ اجتماعی اور اقتصادی تعلقات کو بدلا جائے۔ نہ ہم نے یہ سنا ہے کہ آپ نے کبھی کسی ولی کو معزول کیا یا کسی قاضی کو مقرر کیا یا لوگوں پر کوئی حاکم اور محافظ مقرر کئے آپ نے ان کی تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت کے لئے بھی کوئی قواعد وضع نہ کئے بلکہ آپ نے یہ تمام معاملات خود ان پر چھوڑ دیئے اور ان سے فرمایا، کہ تم ان کے بارے میں زیادہ جانتے ہو "اسی لئے ہر قوم اور قبیلے کا اپنا تمدن، اپنی سیاست اپنی حکومت اور اپنا نظام تھا اور انہیں وحدت اسلام اور اس کے قواعد و آداب کے سوا (جیسا کہ ہم کہہ سکتے ہیں) کوئی اور چیز آپس میں منسلک کرتی تھی۔

ممکن ہے بعض اوقات یہ کہا جائے کہ جو قواعد، آداب اور قوانین آنحضرت عرب و غیر عرب قوموں کے لئے لائے تھے بہت وسیع تھے اور بڑی حد تک یہ تمام قوموں اور قبائل کے مظاہر حیات کا احاطہ کرتے تھے۔ ان میں تعمیرات، فوج، جہاد، لین دین، قرض، رہن وغیرہ کے قواعد اور نشت و برخاست، رفتار و گفتار کے آداب بھی تھے اس لئے وہ جس نے تمام عربوں کو ان وسیع قواعد کا پابند بنایا اور ان کے مختلف طریقوں، آداب اور قوانین کو اس بڑی حد تک جو اسلام لے کر آیا تھا ایک کر دیا، اسی نے ان کے تمام مدنی

نظاموں کو متحد کر دیا اور اسی سبب سے انہیں سیاسی وحدت قرار دیا اس لئے وہ اس وقت ایک ریاست تھے اور آنحضرت ان کے سردار اور حاکم تھے۔ لیکن اگر آپ ذرا غور کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہر وہ بات جس کو اسلام نے شریعت بنایا اور جس کی پابندی مسلمانوں پر ان کے نبی نے عائد کی ۔۔۔۔۔ مثلاً نظام و قواعد و آداب ، وغیرہ ۔۔۔۔۔ اس میں سیاسی حکومت کے طریقے کم و بیش بالکل نہ پائے جاتے تھے اور نہ اس میں مدنی سلطنت کے قواعد تھے ، ان سب کو اگر باہم جمع کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ ان اصول سیاست اور قوانین کا جو کسی مدنی حکومت کے لئے لازم ہوتے ہیں ایک جزو قلیل بھی نہیں بنتے ۔

اسلام نے جو عقائد ، معاملات ، آداب ، اور تعزیرات پیش کی ہیں وہ شریعت دین ہیں اور مغض اطاعت خداوندی اور انسان کی دینی نہبود سے متعلق ہیں اس کے بعد اس میں کچھ فرق نہیں کہ یہ دینی مصلحتیں ہم پر ظاہر ہو جائیں یا مخفی رہیں اور یہ بات بھی یکساں ہے کہ ان میں انسان کی کوئی مصلحت مدنی ہے یا نہیں کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کی طرف آسمانی شریعت یا رسول نے کوئی توجہ نہیں کی ۔

اس لئے اگرچہ شریعت اسلام نے عربوں کو مجتمع کر دیا ، تاہم ان کی سیاست اور زندگی کے دوسرے مدنی اجتماعی اور اقتصادی مظاہر میں بہت بعد رہا اب یہ قول اس کے مترادف ہے کہ وہ مختلف سلطنتیں تھیں ۔۔۔۔۔ اس حد تک جیسا کہ اس وقت عربوں کی زندگی میں دولت اور حکومت کے معنی لئے جاتے تھے ۔

(۵) - جب نبی کریمؐ کا انتقال ہوا تو اس وقت عربوں کی یہ حالت تھی کہ ان میں دینی اتحاد تو تھا لیکن ان کے اندر مختلف حکومتیں تھیں ، اور چند

ایک امور کے سوا ان سب میں مکمل اختلاف تھا یہ وہ حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں ۔

ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں آپ سے اس اختلاف کا ذکر پوشیدہ نہ رہ جائے جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ وہ عہد نبوی میں ام عرب میں موجود تھا اور ایسا نہ ہو کہ آپ کو وہ دلفریب اور بظاہر پر کشش تصویر دھوکے میں ڈال دے جو مورخین اس عہد کی کھنچتے ہیں اس لئے سب سے پہلے تو یہ جان لیجئے کہ فن تاریخ میں بہت کچھ خامیاں ہیں اور تاریخ نے اکثر غلط بیانی سے کام لیا ہے اور اکثر اس میں گمراہی پائی جاتی ہے ۔

دوسری بات یہ جان لیجئے ۔۔۔ اور یہ حقیقت ہے ۔۔۔ کہ جب اسلام نے عربوں کے دل جوڑ دیئے انہیں ایک ہی دین پر مجمع کر دیا اور انہیں ایک ہی قسم کے نظام اور آداب میں شریک کر دیا تو ان کے اکثر اختلافات اور بعد کے آثار مت گئے تیسری بات (جس کا اشارہ ہم پہلے کر چکے ہیں) آنحضرت کی دینی سرداری کا اثر ہے اس وجہ سے کوئی تعجب نہیں کہ ام عرب کے اختلاف کی علامات دھندا لگی ہوں اور اس کے آثار چھپ گئے ہوں ، اس کی تیزی کم اور شدت ختم ہو گئی ہو ۔

واذکرو انعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعدا فالف بین قلوبكم
فاصبحتم بنعمت اخوانا و کنتم على شفا حفرة من النار فانقذ
کم منها (سورة "آل عمران" (۳: ۱۲ - ۱۳)

اور اللہ کا احسان اپنے اور یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے ، پھر تمہارے دلوں کو ملا دیا اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گوھے کے کنارے پر تھے پھر جہیں اس سے نجات دی ۔

لیکن اس کے باوجود عرب ہمیشہ مختلف امتیں اور مختلف سلطنتوں میں

بیٹے رہے یہ بات فطری تھی، اور جو فطری نہ تھا اس کی حدت کم ہوتا اور اس کی علامات کا گھٹ جانا ممکن تھا لیکن کسی حالت میں بھی اس سے پوری طرح نجات ممکن نہ تھی۔

آنحضرتؐ کی وفات کے ساتھ ہی عربوں میں اس اختلاف اور انتشار کے نشان پھر ظاہر ہونے لگے اور ان میں سے ہر قبیلے اور ہر جماعت پھر اپنی انفرادی اور ممتاز شخصیت اور دوسروں سے الگ اپنے مستقل وجود کا خیال کرنے لگی اور قریب تھا کہ وہ اتحاد عربی جو آنحضرتؐ کی زندگی میں مکمل ہو گیا تھا پھر ختم ہو جائے۔ "اکثر عرب مرتد ہو گئے، سوائے اہل مدینہ، مکہ اور طائف کے جو ارتداد میں شامل نہ ہوئے" (۱)

(۲) جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے عربوں کی وحدت اسلامی وحدت تھی نہ کہ سیاسی اور آنحضرتؐ کی قیادت دینی قیادت تھی نہ کہ مدنی، اور عربوں کی اطاعت عقیدے اور ایمان کی وجہ سے تھی نہ کہ حکومت اور اقتدار کے سبب، اور ان کا رسولؐ کے گرد اجتماع خالصأ خدا کے لئے تھا جس کے ذریعے انہیں وحی کی ہدایات، آسمانی برکتیں اور نعمادوند تعالیٰ کے اوامر و نوایی ملتے تھے: **وَيَزْكِيمُهُمْ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** (سورة "آل عمران" ۳: ۶۲)

اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے۔

یہ سعادتؐ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب الہاشمی القرشی کے لئے تھی ان کی شخصیت اور حسب و نسب کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ آپ رسول اللہ تھے "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهُوَى" (وہ اپنی خواہشات کے مطابق گفتگو نہ کرتے تھے) (سورة "الجم" ۵۳: ۳) بلکہ خدا کی طرف سے معزز فرشتوں کی وساطت سے بولتے تھے، اور جب آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا طے تو کوئی اور

شخص اس کا سزا دار نہ تھا کہ آپ کا منصب دینی سنجال سکتا کیونکہ آپ ”خاتم النبیین“ (سورہ ”الاحزاب“ (۳۰ : ۳۳) تھے اور خدا کی رسالت کا رسول کے سوا کوئی اور وارث نہ ہو سکتا تھا جو نہ تو کسی کو عطا کی جا سکتی تھی اور نہ متصل ہو سکتی تھی ۔

(۴) آنحضرت نے اپنی وفات تک کسی کو اپنا قائم مقام نامزد نہ کیا، اور نہ اس بات کی طرف کوئی اشارہ ہی کیا کہ آپ کی امت میں کون ان کا قائم مقام ہو سکتا ہے بلکہ آپ نے زندگی بھر کسی ایسی بات کی طرف بھی اشارہ نہ کیا جس سے ”دولت اسلامیہ“ یا ”دولت عربیہ“ کا مفہوم لیا جا سکتا ہو ۔

حاشا ! آنحضرت کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ آپ نے خدا کی طرف سے عطا کی ہوئی رسالت کو کامل طور پر ادا نہ کر لیا اور جب تک آپ نے اپنی امت کے لئے قاعد دین پورے کے پورے مقرر نہ کر دیئے جن میں نہ تو کوئی اشتباہ تھا اور نہ ابہام ، اور پھر اگر آپ کا مقصد کسی سلطنت کا قیام ہی تھا تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ اس کی کیفیت کے بارے میں مسلمانوں کو لا عالم چھوڑ جاتے کہ وہ آپ کے بعد حیران و ششدر رہ جاتے اور ایک دوسرے کے لگے کائیں شروع کر دیتے ؟ اور یہ کس طرح ممکن تھا کہ آپ کبھی اس معاملے پر غور بھی نہ فرماتے کہ آپ کے بعد کون اس سلطنت کا وارث ہو گا ؟ حالانکہ یہ وہ ضروری امر ہے جس کی طرف ہر زمانے میں سلطنتوں کے بانیوں نے سب سے چہلے توجہ کی ہے ۔ آپ نے کیوں کوئی ایسا مشورہ نہ دیا جس سے کہ مسلمان آپ کے بعد ہدایت پا سکتے ؟ اور کیوں آپ انہیں اس حریت و تفکر کی تاریکی میں چھوڑ گئے جو ان پر مسلط ہو گئی جس کی خلدت میں وہ ایک دوسرے کے لگے کائیں والے تھے ۔ حالانکہ ابھی آنحضرت

کی نعش مبارک ان کے درمیان موجود تھی جس کی تجهیز و عکفین بھی نہ ہوئی تھی؟

(۸) یہ بات جان لینا بھی ضروری ہے کہ اہل تشیع سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت نے اپنے بعد حضرت علیؑ کو مسلمانوں کی خلافت پر متعین فرمایا تھا، ہم نہیں چاہتے کہ اس بحث مباحثہ کو طول دیں اور اس پر زیادہ وقت صرف کریں کیونکہ عملی اور علمی لحاظ سے یہ اس قابل نہیں کہ اسے قابل التفاقات سمجھا جائے۔

ابن خلدون نے کہا ہے کہ ”وہ روایات جنھیں وہ اپنے مذہب کے مطابق نقل کرتے اور ان کی تفسیر کرتے ہیں بہت سے علماء، سنت نبوی اور ناقصین شریعت انہیں جانتے بھی نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر وضع کی ہوتی ہیں یا مسحکوک ہیں یا اپنی غلط تاویلات سے بہت مختلف ہیں“ (۲)

(۹) - امام ابن حزم الظاهری نے ان لوگوں کی رائے اختیار کی ہے (جو یہ کہتے ہیں) کہ رسول اللہ نے اپنے بعد امور رعیت کی خاطر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے متعلق ایک واضح حکم چھوڑا ہے اور اس لئے کہ مہاجرین و انصار کے متفقہ اجماع نے انہیں خلیفہ رسول اللہ منتخب کیا تھا اور لغت میں خلیفہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص ہے جسی خود اپنا قائم مقام مقرر کرے گا کہ وہ جو بغیر اس کی طرف سے نامزد ہوئے اس کا قائم مقام بن جائے یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ لسانی اور لغوی طور پر اس کے علاوہ اس کے کچھ اور معنی درست نہیں (۳) اور اس پر انہوں نے مفصل بحث کی ہے۔

اس رائے کا ماتنا بہت مشکل ہے اور ہمیں اس کی کوئی صحیح وجہ نظر نہیں آتی ہے، ہم نے اکثر کتب لغت کا جو ہمیں مل سکیں مطالعہ کیا ہے لیکن ان میں سے کسی میں بھی ہمیں کوئی ایسے معنی نظر نہیں آئے جو امام ابن حزم

کے کلام کی تائید کر سکیں اس کے برعکس ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر راویوں نے
بالا جماعت بیعت ابو بکر پر صحابہ کا اختلاف روایت کیا ہے اور یہ بھی کہ کئی شد
لوگوں نے اس سے ہٹلو تھی کی تھی۔ اور حضرت علیؓ کا یہ قول ان کے اس قول
کی مذہرات ہے جو انہوں نے آنحضرت کی وفات کے موقع پر کیا تھا (۲)

انہوں نے کہا: اے لوگو! میں نے کل تم سے ایسی بات کہی تھی جو
میری ذاتی رائے تھی اور میں نے اسے کتاب اللہ میں نہیں پایا، نہ یہ کوئی
بیمان یا عہد تھا جو آنحضرت نے مجھ سے باندھا ہو لیکن میرا یہ خیال تھا کہ
آنحضرت ہمارے امور کی نگرانی ہمارے آخری وقت تک فرماتے رہیں گے اب
خدا نے ہمارے درمیان اپنی کتاب کو باقی رکھا ہے جس سے خود آنحضرت
ہدایت حاصل کرتے تھے۔ اگر تم نے اسے مضمونی سے پکڑا تو خدا تمہیں بھی
اسی طرح ہدایت دے گا جس طرح کہ ان کو دی تھی خدا نے اب ہمارے
امور تم میں سے بہترین شخص کے سپرد کر دیتے ہیں جو آنحضرت کے دوست ہیں
اور ان دو میں سے ایک ہیں جب وہ دونوں غار میں تھے پس انہوں اور بیعت کرو

(۵)

ہم نے یہ اور اس کے علاوہ اور بہت کچھ تو دیکھا ہے اور ہم نے یہ جانا
ہے کہ یہ رائے ماتنا بہت غیر ثقہ اور غیر ممکن ہے کہ آنحضرت نے اپنے بعد
نخلافت کا معاملہ طے کر دیا تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے اپنے بعد
حکومت کے بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں کیا اور نہ اس مسئلے پر مسلمانوں
کی ہدایت کے لئے کوئی شریعت پیش کی۔

آنحضرت کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ دین مکمل
نہیں ہو گیا اور اتمام نعمت نہیں ہوا اور دعوت اسلام در حقیقت رائغ نہیں
ہو گئی جس دن یہ ہو گیا اس دن آپؐ کا انتقال ہو گیا اور آپؐ کی رسالت ختم

ہو گئی اور وہ خاص رشتہ جو آپؐ کی ذات بابرکات کے سبب زمین اور آسمان میں تھا منقطع ہو گیا۔

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باب

دولت عربیہ

(۱) آنحضرت کے بعد سیادت صرف سیاسی سیادت ہے ۔۔۔۔۔ ۲
 اسلام کا اگر عربوں پر ۔۔۔۔۔ ۳ - دولت عربیہ کی ابتداء اور ارتقاء ۔۔۔۔۔
 بیعت میں عربوں کا اختلاف)

(۱) جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے آنحضرت کی سیادت صرف دینی سیادت تھی، جو شخص رسالت کے سبب انہیں ملی تھی۔ آپ کی وفات سے رسالت ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی سیادت بھی، جس طرح یہ ممکن نہ تھا کہ رسالت میں کوئی آپ کا نائب ہوتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہ تھا کہ سیادت میں آپ کا کوئی شخص خلیفہ بنتا، لیکن اگر یہ ضروری تھا اور آنحضرت کی وفات کے بعد آپ کے پیروؤں کو سیادت کے بغیر چارہ نہ تھا تو یہ بالکل نئی قسم کی سیادت تھی اور اس سیادت سے بہت مختلف تھی جو آنحضرت سے متعلق تھی۔
 یہ بات واضح طور پر فطری اور معمول ہے کہ آنحضرت کے بعد دینی سیادت کا وجود ختم ہو جائے، اور وہ چیز جس کا ہونا آپ کے بعد تصور میں آسکتا ہے۔ نئی قسم کی سیادت ہے جو نہ تو رسالت سے متعلق ہے اور نہ دین پر اس کا دار و مدار ہے۔ اس لئے وہ "لادینی" قسم کی سیادت ہے۔ اگر سیادت لادینی ہو تو وہ سیاست مدنی و سیاسی سے مکمل سرمو مختلف نہیں یہ حکومت اور اقتدار

کی سیادت ہے نہ کہ دین کی اور یہ بعینی ایسی تھی ۔

(۲) - دعوت اسلامی نے مختلف ہم لوؤں سے عرب قبائل کی حالت بہتر بنا دی تھی اور جب تک رسول کریم انہیں اسلام کی طرف بلاتے رہے تو ان کی یہی حالت رہی مہماں تک کہ وہ اپنے زمانے میں ایک ہی امت بن گئے جو دوسری امتوں سے افضل تھے ، اور دوسری قوموں کی طرح انہیں بھی حکمران اور مستعمرین بننے کی تربیت دی گئی ۔

ان کا عقیدہ شرک کی نجاست سے پاک تھا اور ایمان دل کی گہرائیوں میں راخ تھا ۔ ان کے اخلاق آنحضرت نے مہذب بنائے تھے ، فطرت سلیم نے ان کی فہانت کی تکمیل کی تھی ۔ ان میں ایک سرخوشی اور ولول تھا جسے انکی طبیعت نے شدید کیا تھا ۔ اتحاد خداوندی نے ان کی دوریوں کو قریب کر دیا تھا اور اختلافات رفع کر دیئے تھے اور انہیں دین خدا میں بھائی بھائی بنا دیا تھا ۔ یہ تھی عربوں کی حالت جب آنحضرت کی وفات ہوئی ۔

عربوں جیسی بلند ہمت اور ترقی پذیر قوم کے لئے سیادت نبوی کے اٹھ جانے کے بعد یہ ممکن نہ تھا کہ وہ پھر اپنی خوشی سے اسی حالت کو لوٹ جاتے جس میں وہ پہلے تھے یعنی وہ پھر سے ایک جاہل قوم ، ایک مستشر گروہ ، باہم دشمن قبائل اور کمزور و حدتیں بن جاتے جب خدا نے کسی قوم کے لئے وقت اور غلبے کے اسباب فراہم کئے ہوں تو یہ ضروری ہے کہ وہ قوی اور غالب بن جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وُشتہ تقدیر میں سے اپنا پورا حصہ حاصل کر لے ۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ ایک دولت عرب قائم ہو جاتی جس طرح کہ اس سے پہلے اور بعد میں بھی سلطنتیں قائم ہو جیں ۔

(۳) عربوں سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی ۔ خدا نے ان کی سلطنت کے اسباب مہیا کر دیئے ہیں اور اس کی راہیں ہموار کر دی ہیں ، بلکہ اس کا احساس

تو انہیں آنحضرت کی وفات سے پہلے ہی ہونا شروع ہو گیا تھا ۔ لیکن دراصل آپ کی وفات کے بعد انہوں نے ایک سیاسی سلطنت کے بارے میں باہم مشورہ کرنا شروع کر دیا تھا جس کا اس دینی وحدت پر قائم ہونا ناگزیر تھا جو آنحضرت لپٹنے بعد ان کے درمیان چھوڑ گئے تھے ۔ ”ہر بوت کے بعد جابر ان حکومت ناگزیر ہے اور آنحضرت کی بوت اس وقت تک رہی جب تک کہ جابر ان حکومت نے اسے ختم نہ کر دیا ۔ (۱) اس وقت عرب صرف ایک مملکت قائم کرنے، سلطنت مضبوط بنانے، اور حکومت کی بنیاد رکھنے کے بارے میں مشورہ کرتے تھے ۔ اسی لئے ان کی زبانوں پر امارت اور امراء، وزارت اور وزراء، کے الفاظ جاری ہو گئے تھے اور وہ صرف قوت و شمشیر، عربت، و شروت، تعداد اور طاقت، رعب اور فوقيت وغیرہ کی باتیں کرتے تھے ۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ وہ حکومت کے نئے میں سرشار تھے اور سلطنت کے قیام میں موجہ تھے مہاجرین اور انصار، اور بعض صحابہ کبار کا آپس میں سمازع اسی کا نتیجہ تھا یہاں تک کہ بیعت ابو بکرؓ کی تکمیل ہو گئی ۔ چنانچہ وہ اسلام کے سب سے پہلے بادشاہ تھے ۔

اگر آپ اس بات پر غور کریں کہ بیعت ابو بکرؓ کی تکمیل کیسے ہوئی اور ان کی حکومت کیسے قائم ہوئی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ محض سیاسی اور سلطانی بیعت تھی ۔ اس پر ایک نئی سلطنت کے نقش پورے طور پر ثبت تھے، اور وہ اسی طرح قائم ہوئی جس طرح اور حکومتیں قائم ہوتی ہیں یعنی قوت و شمشیر کی بنیاد پر ۔

یہ وہ نئی سلطنت تھی جس کی بنیاد پر یونے ڈالی تھی یہ خاص عربی سلطنت تھی ۔ اور عربی حکومت تھی لیکن جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے اسلام تمام انسانیت کا مذہب ہے یہ نہ عربی ہے اور نہ عجمی، دولت عربیہ دعوت دینی کی

بنیاد پر تعمیر ہوئی تھی اس کا شمار اس دعوت کی حمایت اور اس کا مقصد اس کا قیام تھا اس لئے اس دعوت کے معاملات میں اس کا بہت بڑا اثر تھا، اور اسلام کے ارتقاء اور نشوونما میں اس کا لامحالہ بہت بڑا ہاتھ تھا لیکن اس کے باوجود یہ دولت عربیہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہ تھی جس نے اقتدار عرب کی تائید کی عربوں کی مصلحتوں کی ترویج کی اور انہیں دنیا بھر میں مستثن کر دیا انہوں نے دنیا کو خوب آباد کیا اور اس کی عمدہ اور پسندیدہ باتوں سے اچھی طرح مستفید ہوئے یہ ان قوی اور مضبوط قوموں کی شان ہے جو فتح و استعمار پر قادر ہو جاتی ہیں -

(۲) - جب مسلمان سقینہ بنی ساعدہ میں اس محاٹے پر گفت و شنید کہ رہے تھے کہ حکومت کس کے سپرد کریں تو وہ اس بات کو خوب سمجھتے تھے جب انصار نے مہاجرین سے کہا "ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے" جس پر حضرت ابو بکرؓ نے انہیں یہ جواب دیا تھا کہ : "ہم میں سے امیر ہوں گے اور تم میں سے وزیر" (۲) اور جب ابوسفیان نے پکار کر یہ کہا تھا : "خدا کی قسم ! میں ایسی آندھی اٹھتے دیکھ رہا ہوں جسے خون کے سوا کوئی چیز نہ روک سکے گی - اے آل عبد مناف ! ابو بکرؓ کو تمہارے امور سے کیا تعلق ؟ کہاں ہیں علی اور عباسؓ وہ دو کمر اور مظلوم (ضعیف اور منکر مزان) شخص ؟ اور پھر اس نے کہا " اے ابو حسن ! اپنا ہاتھ بڑھاؤ کہ میں تمہاری بیعت کروں حضرت علیؓ نے اس سے انکار کیا اور متنفس (ایک جالی شاعر) کے یہ شعر پڑھے :

ولن يقيم على ضيم برا ادب
الا الا ذلان غير الحى والوتد

(کوئی شخص اس ذلت پر رضا مند نہ ہو گا جو اس پر لادی جانے کی کوشش کی جا

رہی ہے سوائے دو ذلیل چیزوں کے ایک تو قبیلے کا اونٹ اور دوسرا (کھوٹا) -
 هذا على الخسف مربوط برمد
 ودا يسح فلا يبكي له أحد (۳)

(یہ تو یعنی اونٹ رے سے بندھا ہوا ہے اور دوسرا (کھوٹا) نوٹا ہوا ہے جس پر
 کوئی رو نے والا بھی نہیں)

اور جب سعد بن عباد سردار غزرج) نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کو
 ترک کر دیا تھا اور کہا تھا "خدا کی قسم! جب تک میں تمہیں اپنے ترکش کے
 تیروں سے نہیں ماروں گا اور اپنے نیزے کی انی کو رنگیں نہیں بناؤں گا اور اپنی
 اس تلوار سے جب تک یہ میرے ہاتھ میں ہے تم سے جنگ نہیں کروں گا اور
 تم سے اپنے رشتہ داروں اور اپنے تمام ہم قوموں سمیت جو میری اطاعت کریں
 گے جنگ نہیں کروں گا، خدا کی قسم! اس وقت تک میں بیعت نہیں کروں گا
 اگر تمام جنات بھی انسانوں کے ساتھ مل کر تمہاری طرف ہو جائیں تو میں
 تمہاری بیعت اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک کہ میں اپنے خدا کے
 حضور میں پیش نہ کر دیا جاؤں اور میرا حساب کتاب نہ ہو جائے (یعنی قیامت
 تک) چنانچہ سعد بن عبادہ نہ تو ان کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ ان سے
 ملتے تھے - وہ حج تو کرتے تھے لیکن تمام مناسک میں ان کے ساتھ شامل نہ
 ہوتے تھے ان کا عمل یہی رہا مہماں تک کہ حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہو گیا -

(۲)

مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ وہ ایک مدنی اور دنیاوی
 حکومت کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں اسی لئے وہ اس سے بغاوت اور
 اختلاف جائز سمجھتے تھے انہیں یہ بھی علم تھا کہ وہ صرف امور دنیا میں سے ایک
 امر میں اختلاف رکھتے ہیں نہ کہ امور دین میں سے اور یہ کہ وہ صرف سیاسی

معاملات میں مخالفت رکھتے ہیں جن سے دین کو کوئی تعلق نہیں اور نہ ان کا ایمان انہیں اس سے روکتا ہے ۔

حضرت ابو بکر اور دیگر حضرات نے یہ کبھی خیال بھی نہیں کیا کہ مسلمانوں کی یہ قیادت کوئی دینی عہدہ ہے اور نہ یہ گمان کیا کہ اس کے خلاف بغاوت دین سے بغاوت ہے حضرت ابو بکر تو صرف یہ فرماتے تھے کہ : اے لوگو ! میں تو تمہاری ہی طرح ہوں میں جانتا ہوں کہ تم مجھے ان باتوں پر مجبور نہیں کرو گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی استطاعت میں تھیں خدا نے محمدؐ کو دونوں جہانوں میں انتخاب فرمایا تھا اور انہیں تمام آفات و مشکلات سے بچایا تھا میں تو صرف تابع ہوں نہ کہ بتدع (یعنی میں صرف ان کے عمل پر چلنے والا ہوں نہ کہ کوئی نئی بات پیدا کرنے والا) ۔ (۵)

لیکن اس وقت بہت سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ (کی خلافت) پر کسی قدر دینی رنگ چڑھا دیا اور بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ وہ دینی عہدے کے مالک تھے جس میں وہ آنحضرتؐ کے قائم مقام تھے اسی طرح یہ خیال بھی پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی قیادت دینی منصب ہے اور آنحضرتؐ کی نیابت ہے ۔

سب سے اہم سبب جس نے مسلمانوں میں اس خیال کی پرورش کی ہے وہ لقب ہے جو ابو بکرؓ نے استعمال کیا تھا ”خلیفۃ رسول اللہ“

تیسرا باب

خلافت اسلامی

(۱) " خلیفہ رسول اللہ " کے لقب کا ظہور ۲ - حضرت ابو بکرؓ کے " خلیفہ رسول اللہ " ہونے کا حقیقی مطلب ۳ - یہ لقب اختیار کرنے کی وجہ ۴ - حضرت ابو بکرؓ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو " مرتد کا لقب دینا ۵ - سب باعی مرتد نہیں ہوئے تھے ۶ - زکوٰۃ سے انکار کرنے والے ۷ - سیاسی ، نہ کہ دینی جنگلیں ۸ - کچھ لوگ درحقیقت مرتد تھے ۹ - حضرت ابو بکرؓ کا دینی اخلاق ۱۰ - اس اعتقاد کی ابتداء کہ " خلافت منصب دینی ہے " ۱۱ - اس اعتقاد کی ترویج میں بادشاہوں کا باعث ۱۲ - دین میں کوئی خلافت نہیں -)

(۱) - ہمارے لئے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ وہ کیا خاص سبب تھا جس نے کسی شخص کو حضرت ابو بکرؓ کے لئے " خلیفہ رسول اللہ " کا لقب لیجادو کرنے پر بمحروم کیا - لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس کی اجازت دی تھی اور اسے پسند کیا تھا - ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ انہوں نے اس لقب کا استعمال ان خطوں میں کیا ہے جو انہوں نے مرتد قبائل عرب کو اور سپہ سالاران لشکر کو لکھے تھے - شاید حضرت ابو بکرؓ نے انہیں میں سب سے پہلے یہ لقب استعمال کیا تھا کیونکہ اس کا اولین استعمال اسی ذریعے سے ہم تک پہنچا

(۱) ہے

(۲) - اس میں شک نہیں کہ رسول کریم عربوں کے سردار اور ان کے اتحاد کا باعث تھے (جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) جب ان کے بعد حضرت ابو بکر عربوں کے بادشاہ بنے اور ایک نئے سیاسی طریقے پر ان کی وحدت کو قائم کیا تو عربوں کی زبان میں اس لحاظ سے یہ لفظ ----- کہ وہ "خلیفہ رسول اللہ" ہیں ----- مقبول ہو گیا جیسے کہ انہیں مخفی "خلیفہ" کہنا راجح ہے - (جس طرح ہم نے خلافت کے معنی بیان کرتے ہوئے دیکھا ہے) چنانچہ اس معنی میں حضرت ابو بکر رسول کے جانشین (قائم مقام، خلیفہ) تھے اس کے علاوہ خلافت کے اور کچھ معنی نہیں -

(۳) اس لقب میں رعب، قوت اور جاذبیت ہے ، اس لئے کچھ عجب نہیں کہ حضرت ابو بکر نے اسے اختیار کر لیا ہو کیونکہ وہ ایک نئی سلطنت کے بنی تھے جس کی حدود کو وہ فتنوں کی آندھیوں سے بچانا چاہتے تھے اور خواہشات و اغراض کے تند گولوں سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے اور خود اس قوم سے بھی حفاظت کرنا چاہتے تھے جو ابھی ابھی جاہلیت سے آزاد ہوئی تھی اور جس میں ابھی عصیت اور شدید اکھڑپن موجود تھا اور جو اطاعت پذیر نہ تھی لیکن اسے ابھی آنحضرت کا عہد مبارک بھی یاد تھا ان کی طرف اطاعت بھی یاد تھی اور ان کے ایک ایک لفظ پر سر جھکانا بھی یاد تھا اس لئے یہ لقب اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عربوں کی سرکشی کو روک سکے اور ان لوگوں کو رام کر سکتا تھا جو نگام سے باہر ہو گئے تھے ، شاید یہ مقصد اس سے پورا ہو گیا تھا - عربوں میں سے ایک جماعت نے یہ گمان کیا تھا کہ حضرت ابو بکر کی خلافت ہر معنی میں رسول کریم کی حقیقی خلافت ہے اسی لئے انہوں نے کہا کہ "ابو بکر" محمد کے خلیفہ ہیں " اور محمد خدا کے خلیفہ تھے چنانچہ انہوں نے

حضرت ابو بکرؓ کو " خلیفۃ اللہ " کہنا شروع کر دیا اگر خلافت صدیق کے معنی وہی ہوتے جو وہ سمجھتے تھے تو شاید وہ غلطی پر نہ ہوتے اور ان میں سے اکثر اب تک یہی سمجھتے ہیں لیکن حضرت ابو بکرؓ اس لقب پر سخت ناراضی ہوئے اور انہوں نے کہا : " میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں بلکہ خلیفۃ رسول اللہ ہوں " - (۲)

(۳) - اس لقب نے عربوں اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس بات پر اکسایا کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کی حکومت کی اسی طرح دینی لحاظ سے اطاعت کریں جیسے کہ وہ آنحضرتؐ کی کرتے تھے ، اور ان کے مرتبہ شاہی کی اسی قدر عوت کریں جیسی کہ دین سے تعلق رکھنے والی ہر بات کی ضروری ہے اسی لئے ان کی رائے میں حضرت ابو بکرؓ سے بغاوت دین سے بغاوت تھی اور اسلام سے ارتداد تھا ہماری رائے میں یہ عین ممکن ہے کہ ان لوگوں کے یہ کہنے کا کہ " جو لوگ ابو بکرؓ کی اطاعت سے تارک ہو گئے ہیں وہ مرتد ہیں " یہی سبب ہو اور اسی لئے وہ حضرت ابو بکرؓ کی جنگوں کو " عروب ردة " کہتے ہیں -

(۴) لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ سب کے سب مرتد نہ ہو گئے ہوں یعنی انہوں نے خدا اور اس کے رسول سے کفر نہ کیا تھا ان میں سے ایسے بھی تھے جو لپنے اسلام پر قائم تھے لیکن انہوں نے کسی سبب سے وحدت ابو بکرؓ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا اس میں نہ تو کوئی عرج انہیں نظر آتا تھا اور نہ اس سے ان کے دین میں کوئی نقص واقع ہوتا تھا - اس لئے لامحالہ وہ سب کے سب مرتد نہ تھے اور نہ ان کے خلاف جنگ دین کے نام پر تھی - اگر ان سے جنگ کئے بغیر چارہ نہ تھا تو اس کا سبب بخشن سیاست تھا اور اتحاد عرب کو بچانا تھا اور ان کی سلطنت کی حفاظت کرنا تھا -

ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ان میں سے بعض نے مسلمانوں کی بیعت ہو چکنے کے بعد بھی بیعت ابو بکرؓ سے انکار کیا تھا مثلاً علی بن ابی طالب اور سعدؓ

بن عبادہ لیکن ان سے نہ تو مرتدین کا سامنہ کیا۔ کیا اور نہ ان کے بارے میں کسی نے یہ لفظ تک ہما۔

(۴) ان میں سے بعض نے جن سے حضرت ابو بکرؓ نے جگ کی تھی صرف زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا اس سے شاید ان کا مطلب تارک دین ہونا یا کفر اعتیار کرنا نہ تھا بلکہ ان کا مقصد صرف حضرت ابو بکرؓ کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار تھا جیسے کہ مسلمانوں میں سے کئی جلیل صحابہؓ نے کیا تھا اس لئے جب وہ حضرت ابو بکرؓ کا اعتذار نہ کرتے تھے اور نہ ان کے اقتدار حکومت کو تسلیم کرتے تھے تو ان کا زکوٰۃ ادا نہ کرنا باعث تجھب نہیں۔

جب کبھی بھی ہم تاریخ کی ان روایات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے بارے میں دیکھتے ہیں جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے بغاوت کی جنہیں مرتدین کا لقب دیا گیا اور جن کے خلاف جنگوں کو "حروب ردة" ہما گیا تو ہم تاریخ کی گمراہی، تاریکی اور قلم سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت کے نور کی ایک چنگاری تاریخ کی اس ظلمت میں ہمیشہ پیدا ہوتی رہی ہے اور عنقریب علماء اس کی طرف ایک نہ ایک دن متوجہ ہو کر رہیں گے اور ممکن ہے وہ اسی آگ کی روشنی سے ہدایت حاصل کر لیں۔

خالد بن ولید اور مالک بن نویرہ کی بائی گفتگو پر آپ غور کریں، مالک ان لوگوں میں سے ہے جنہیں "مرتدین" کا لقب دیا گیا تھا۔ اور یہ وہی ہے جس کے قتل کا خالد نے حکم دیا تھا، اس کے بعد اس کے سر کو ہندی یار کئے کے لئے چولھے کا پتھر بنایا گیا (۲) مالک مسلسل واضح اور صریح طور پر اس کا اعلان کرتا رہا کہ وہ اسلام پر قائم ہے لیکن وہ خالد کے آقا (یعنی ابو بکرؓ) کو زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا۔

اس لحاظ سے یہ بالکل غیر دینی ستازعہ تھا یہ ستازعہ اس مالک کے جو

مسلمان اور لپنے دین پر قائم تو تھا یہ کن بنو تمیم میں سے تھا، اور ابو بکرؓ القرشی کے درمیان تھا جو ایک ایسی سلطنت کے بانی تھے جس کے سردار قریش میں سے تھے یہ نزاع قواعد دین یا اصول ایمان کے بارے میں نہ تھا بلکہ ملوکیت اور حکومت کے بارے میں تھا۔

خود مالک ہی نے اپنے اسلام کی شہادت نہیں دی بلکہ حضرت عمر بن خطاب نے بھی اس کی گواہی دی جب انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا تھا ”غالد نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے اس نے اسے قتل کر دیجئے، بلکہ خود حضرت ابو بکرؓ بھی اس کے اسلام پر گواہ تھے جب انہوں نے حضرت عمرؓ کو جواب دیا تھا“ میں اسے قتل نہیں کر سکتا اس نے غلط مفہوم لیا اور اس سے غلطی ہو گئی۔^(۲)

ایک اور مثال یحییٰ ان میں سے ایک شاعر^(۵) کہتا ہے۔

اطعنا رسول اللہ ما کان بینا
فیا لعباد اللہ مala بی بکر

(جب تک رسول ہم میں رہے ہم ان کی اطاعت کرتے رہے اے خدا کے بندو! ابو بکرؓ کو ہمارے معاملات سے کیا ہم^(۴))

ایورثنا	بکرا	اذمات	بعدہ	وتلک	ل عمر	اللہ
و قاصمتہ	و با	و اذمات	و اذمات	و قاصمتہ	و قاصمتہ	و قاصمتہ
الظہر	بکرا	بکرا	بکرا	ل عمر	ایورثنا	اطعنا

(کیا ابو بکرؓ بھی اپنے مرنے کے بعد تمیں بکر (نوجوان اونٹ مراد حضرت ابو بکرؓ کی اولاد) کے حوالے کر جائے گا۔ اور یہ خدا کی قسم کمر تو زنے والی بات ہے یعنی زیادتی ہے)

ان اشعار میں صرف ایک ایسا انسان نظر آتا ہے جو ابو بکرؓ پر ناراض ہے

ان کی حکومت سے منکر ہے۔ ان کی اطاعت کو تسلیم نہیں کرتا اور ان کی بیعت کا تارک ہے لیکن اس وقت ساتھ ہی اس کا دل آنحضرت پر ایمان لا رہا ہے اور وہ اسلام میں سے کسی بات کو چھوڑ نہیں رہا۔

پھر اس کے بعد کیا ہم نے تاریخ میں یہ نہیں دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو مرتدین کے قتل سے منع کیا تھا، اور کہا تھا: "آپ کیوں ان لوگوں سے جنگ کرتے ہیں؟ حالانکہ آنحضرت نے فرمایا ہے: مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے صرف اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں جس نے یہ کہہ دیا اس کا مال اور اس کی جان سوائے خدا کے حق و حساب کے مجھ سے محفوظ ہے۔" (۶)

یہ وہ قلیل ترین روایات ہیں جو پوری صداقت سے ہم تک پہنچی ہیں جن کے آثار تاریخ مٹانے پر تلی ہوئی تھی اور جن کے حالات مت جانے والے تھے۔۔۔۔۔ اور تلاش کیجیئے بہت کچھ مل جائے گا۔

(۷) - ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ وہ جنگ جسے ابو بکرؓ کی خلافت کے اولین دور میں "عرب مرتدین" کہا جاتا تھا۔ ہرگز دینی جنگ نہ تھی بلکہ شخص سیاسی جنگ تھی عوام یہ سمجھتے تھے کہ وہ دین کے لئے تھے لیکن وہ سب کی سب دین کے لئے نہ تھی۔

یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم اس جگہ آپ کو وہ حقیقی اسباب بتائیں جو فی الواقع "عروب رده" کو مشتعل کرنے والے تھے نہ ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ اب جب کہ یہ بحث ہمارے در پیش ہے ہم اس سے پوری طرح واقف ہونے کا دعویٰ کریں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اگر آپ ان قبائل کے انساب کا اچھی طرح مطالعہ کریں جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے خلاف بغوات کی تھی اور ان کا قریش سے (جو اس وقت کے شاہی گھرانے کا جد امجد تھا) تعلق معلوم کر لیں، اور اگر

آپ نو خیز قوموں میں خدا کی سنت کو سمجھ جائیں اور حکومت کی خاطر نئی طبقاتی و فاداریوں کو دیکھ لیں ۔۔۔۔۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آپ طبائع و آداب عرب سے اچھی طرح واقف ہوں ۔۔۔۔۔ تو آپ کو بعض اہم بنیادی اسباب نظر آجائیں گے اور ممکن ہے آپ کامیاب ہو جائیں ۔

(۸) " ہم اس اعتقاد کو مانے لیتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آنحضرتؐ کے بعد بالفعل ارتداد کی مرتبہ ہوئی تھی ، یہ بات ۔۔۔۔۔ جیسا کہ ہم قانون فطرت کو جانتے ہیں ۔۔۔۔۔ بالکل فطری تھی اور ان کے نظام کے مطابق تھی ، اس سے بھی سہل یہ اعتقاد ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی میں اور آپؐ کی وفات کے بعد کچھ جھوٹے نبیوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا ہمارے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ نبوت کا دعویٰ ایک گراہ اور غیر ہدایت یافتہ ذہن سے بعید نہیں ہے خصوصاً جب عوام اس کی طرف کشش محسوس کریں اور اگر ان سے بھی زیادہ گراہ ساتھی اسے مل جائیں ، عام لوگوں کے لئے ایسے گراہ اور غلط کار شخص کی نبوت پر ایمان لانے سے زیادہ آسان اور کوئی بات نہیں جب کہ اس شخص کو یہ گر معلوم ہو کہ انہیں گراہی کے راستے پر کیسے چلانا چاہیے اور انہیں غلط کاری کی روشن پر کیسے لے جانا چاہیے اسی لئے ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد کے شروع میں ایسے لوگ تھے جو آنحضرتؐ کی وفات کے سبب بالفعل اسلام سے مرتد ہو گئے تھے ، جس طرح کہ قبل عرب میں ایسے اشخاص بھی ملتے ہیں جنہوں نے نبوت کا جھونا دعوے کیا تھا ۔

اسی لئے حضرت ابو بکرؓ نے سب سے بہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ وہ ان جھوٹے نبیوں اور حقیقی مرتدین کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے یہاں تک کہ وہ ان پر غالب آگئے اور ان کے باطل کو ملیا میٹ کر دیا ۔

ہم اس بحث میں نہیں باننا چاہتے کہ آیا یہ محض دینی سبب تھا جس نے حضرت ابو بکرؓ کو مرتدین اسلام کے بارے میں جواب دہ بنایا تھا یا کوئی اور غیر دینی اسباب تھے جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو اس ارادے پر اشتغال دلایا تھا۔ کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کا اپنی نئی سلطنت میں سب سے پہلا کام انہیں مرتدین سے جنگ تھا اور انہیں سے "مرتدین" کا لقب شروع ہوا ہے یعنی حقیقی مرتدین کے لئے یہ صحیح لقب اسی وقت سے شروع ہوا لیکن اس کے بعد عربوں میں یہ لقب ہر اس شخص کے لئے استعمال ہونے لگا جس سے حضرت ابو بکرؓ نے جنگ کی خواہ وہ دین میں اختلاف رکھتے تھے اور حقیقی مرتد تھے، خواہ وہ بغیر مرتد ہوئے صرف سیاسی اختلاف رکھتے تھے اسی لئے حضرت ابو بکرؓ کی تمام جنگیں دین کے عنوان کے تحت درج ہو گئی ہیں اور اسلام کے نام اور شعار میں داخل ہو گئی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ سے مل جانا اسلام کے پرچم تلتے جمع ہونے کے متراوٹ ہو گیا اور ان کے خلاف بغاوت ارتدا اور فتنہ شمار ہونے لگی۔

(۹) - اس کے علاوہ کچھ اور وجہات بھی تھیں جنہوں نے اس غلطی میں لوگوں کی مدد کی اور حضرت ابو بکرؓ کی امارت کو دینی معنی پہنانا آسان کر دیا۔ آنحضرت کے نزدیک حضرت صدیق ایک بلند اور ممتاز قدر و منزلت کے مالک تھے اور دعوت دینی میں بھی ان کا گران قدر حصہ تھا اسی طرح مسلمانوں میں بھی ان کی خاص منزلت تھی اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابو بکرؓ آنحضرت کا اقتدار کرتے تھے اور ان کے نقش قدم پر چلتے تھے خصوصاً ذاتی امور میں اور عموماً دوسرے امور میں اس میں بھی شک نہیں کہ امور سلطنت کی سیاست میں بھی ان کا عمل یہی تھا اس لئے وہ اپنی کوشش کے مطابق اسے دینی راستے پر چلاتے رہے اور اس میں حتی المقدور رسول اللہ کی راہ پر گامزن

رہے۔ اس لئے کچھ بعید نہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اس سلطنت کے معاملات میں (جس کے وہ پہلے امیر تھے) ہر مظہر دین کو بروئے کار لائے ہوں۔

(۲۰) - اس سے آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ یہ لقب (خلیفہ رسول اللہ) اپنے تمام متعلقات کے ساتھ (جن میں سے بعض کا ہم نے ذکر کیا ہے اور باقی کو چھوڑ دیا ہے) غلطی کے ان چند اسباب میں سے ایک تھا جو عام مسلمانوں میں پھیل گئے تھے اور انہیں خیال پیدا ہوا کہ خلافت مرکز دینی ہے اور جو شخص مسلمانوں کے امور کا والی ہو گا اس نے گویا (عام مسلمانوں کے نزدیک) اسی مقام کو حاصل کر لیا جو آنحضرت کو حاصل تھا۔

اس طرح صدر اول ہی سے مسلمانوں میں یہ خیال راجح ہو گیا تھا۔ کہ خلافت مقام دینی ہے اور صاحب شریعت کی نیابت ہے۔

(۲۱) - سلاطین کی مصلحت اسی میں تھی کہ یہ غلط خیال لوگوں میں راجح ہو جائے تاکہ وہ دین کو ایسی زرد بنالیں جو ان کے تحفظ کی حفاظت کر سکے اور انہیں باغیوں سے بچا سکے وہ مختلف حلیوں سے اس پر عمل پیرا رہے اور وہ کتنے متعدد حلیے تھے اگر محققین اس کی طرف توجہ کریں یہاں تک کہ انہوں نے لوگوں کی عقل میں یہ بات ڈال دی کہ ائمہ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اس کے بعد خلفاء نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا اور انہیں وہ لقب مطمئن نہ کر سکا جو حضرت ابو بکرؓ نے انتخاب کیا تھا انہوں نے اسے مسترد نہ کیا جس پر حضرت ابو بکرؓ نے ناراضی قاہر کی تھی (یعنی خلیفۃ اللہ) اور انہوں نے سلطان کو زمین پر خدا کا خلیفہ اور اس کے بندوں پر اس کا قتل مددود بنانا کر رکھ دیا۔

اور دیکھئے! خلافت مباحثہ دینی سے منسلک ہو کر رہ گئی ہے اور عقائد

توحید کا ایک جزو بن گئی ہے جس کا مطالعہ مسلمان خدا کی صفات اور انبیائے کرام کی صفات کے ساتھ ساتھ کرتا ہے اور وہ اس کی تلقین دیے ہی کرتا ہے جس طرح کہ کلمہ شہادت کی کہ اشهد ان لا الہ الا اللہ و ان محمد ان رسول اللہ ۔

یہ ہے ملوک کا مسلمانوں پر ظلم و استبداد انہوں نے ان کو ہدایت سے گمراہ کیا اور حقیقت کے چہرے کو تاریک کر دیا دین کے نام پر ان سے روشنی کے سرخے مخفی کر دیئے اور دین ہی کے نام پر ان پر ظلم و جور کیا اور انہیں ذلیل کیا ۔ انہیں علوم سیاست کے مطالعے سے محروم کر دیا اور دین ہی کے نام پر وہ انہیں دھوکا دیتے رہے اور انہوں نے ان کی عقولوں کو محدود کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان مسائل تدبیر اور خالص سیاست تک میں بھی اس دین کے علاوہ کوئی رائے قابل غور نہیں کھجھتے ۔

اس کے علاوہ ملوک نے ان پر فہم دین محدود کر دی اور انہیں ایک ستگ دائرے میں جو خود ملوک ہی نے ان کے لئے مقرر کیا ہے محوس کر دیا اور اس کے بعد ان پر علم کا ہر وہ دروازہ مغلل کر دیا جو خلافت کے قصر میں کھلتا تھا ۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی قوت بحث اور نشاط فکر مر گئی اور سیاسی مسائل پر غور و فکر اور خلافت اور خلینہ کے حالات کا تدبیران میں بالکل ختم ہو گیا ۔

(۱۲) - حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام اس خلافت سے جس سے مسلمان متعارف ہیں اور اس تمام لائق اور خوف ، عرت و طاقت کے جال سے جو انہوں نے اس خلافت کے ارد گرد بن رکھا ہے ، بالکل ناداقف ہے ، یہ خلافت ہرگز دینی امور میں سے نہیں اور نہ اس کے اصول و قوانین ، اور اصول حکومت اور

مسائل سلطنت دین کا جزو ہیں یہ تو شخص سیاسی امور ہیں اور دین کا ان سے کوئی تعلق نہیں، نہ تو دین انہیں قبول کرتا ہے اور نہ رد کرتا ہے، نہ ان کے بارے میں کوئی حکم دیتا ہے اور نہ ان سے منع کرتا ہے ان کا انتظام اس نے ہم پر چھوڑ دیا ہے تاکہ ہم انہیں احکام عقل، تجارت امام اور قواعد سیاست کے مطابق چلائیں ۔

اسی طرح اسلامی عسکری نظام، شہروں اور سرحدوں کی حفاظت اور آباد کاری اور مختلف شعبوں کے نظام میں بھی دین کا کوئی ہاتھ نہیں یہ سب عقل اور تجربے پر مبنی ہے یا قواعد حرب اور انحصاروں اور ماہرین کی رائے پر مخصر ہے ۔

دین میں کوئی حکم ایسا موجود نہیں ہے جو مسلمانوں کو علوم معاشرت و سیاست وغیرہ میں دوسری قوموں سے سبقت لے جانے سے منع کرے یا اس بات سے روکے کہ وہ اس پرانے اور فرسودہ نظام کو جس کے سامنے وہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں ختم کر دیں یا انہیں اس بات سے باز رکھے کہ وہ اپنے ملک کے قواعد اور اپنی حکومت کا نظام انسانی عقل کے نئے نتائج اور دوسری قوموں کے اصول حکمت میں بہترین اور مصبوط ترین تجربوں پر تعمیر کریں ۔

والحمد لله الذي هدانا لهذا و ما كنا لنهedi لولا ان هدانا الله ،
وصلی اللہ علی محمد وآلہ و صحبو و من والاہ

#

مانڈریال (کینیڈا)

۱۶ مارچ ۱۹۵۳

فت نوت

حصہ اول

خلافت اور اس کا مفہوم

۱ - " مفردات فی غریب القرآن ، از اصفهانی (ابوالفرج علی بن الحسین الا صفہانی ۲۸۲ھ تا ۳۵۶ھ)

خالص عرب ، اصفہان میں پیدا ہوا - عالم بے مثل علم حدیث ، طب و نجوم کے علاوہ موسيقی ، ادبیات اور تاریخ و سیر میں اس کا جواب نہیں - اس کی کتاب "الاغانی" تاریخ ادبیات عرب کا ایک گرانہا خزانہ ہے ، مترجم -

(۲) - قاموس ، صحاج ، وغیرہ ،

(۳) - عبد السلام - حاشیہ "لحوظہ" ص ۲۲۲

(۴) - ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی ، متوفی ۹۱ھ

(۵) - "مطالع الانظار علی طوالح الانوار"

(۶) - مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۸۰ - (ابو زید عبد الرحمن بن ابو بکر محمد متوفی ۱۳۰۶ھ) اس کا خاندان ہسپانیہ میں تھا ، اس کے پایہ کا مورخ آج تک نہیں ہوا - ایک ضخیم تاریخ لکھی جس کا مقدمہ زیادہ مشہور ہے اس میں اس نے قوانین تاریخ واضح کئے ہیں - مترجم)

(۷) - مقدمہ ابن خلدون ، صفحہ ۱۸۱

(۸) - مقدمہ ابن خلدون ، صفحہ -

- (۹) - الباجوری (۱۲۸۰ھ - ۱۱۹۸ھ) حاشیہ "لبوحرة"
- (۱۰) - ابوہریرہ سے مردی ہے ، دیکھئے "العقد الفريد از ابن عبد ربہ جلد ۱ ، صفحہ ۵ (طبع عثمان عبد الرزق قاهرة ۱۳۰۲ھ)" ،
- ۱۱ - ایضاً -

(۱۱) - (ابو جعفر) منصور (دوسراء عباسی خلیفہ ۵۵ھ - ۵۳ھ) کے خطبہ مکہ میں ہے "اے لوگو ! میں خدا کی زمین میں اس کی طرف سے حاکم ہوں ، میں اس کی توفیق ، تائید اور امداد سے تم پر حکومت کروں گا - میں اس کے مال کا محافظ ہوں جسے میں اس کی مشیت اور ارادے کے مطابق استعمال کروں گا اور اسی کی اجازت سے عطا کروں گا - مجھے خدا نے اس پر قفل کی مانند بنایا ہے اگر وہ مجھے کھوننا چاہے تو میں تم پر رزق اور نعمتیں کھول دوں گا اور اگر وہ بند کرنا چاہے تو میں تم پر یہ چیزیں بند کر دوں گا

----- ایضاً ("العقد الفريد" ج ۲ ، ص ۱۴۹)

- (۱۲) - "طواح الانوار" اور اس کی شرح "مطالع الانظار" صفحہ ۲۰
- (۱۳) - ابن خلدون "مقدمہ" صفحہ ۲۲۳ -
- (۱۴) - ایضاً ، صفحہ ۲۰ -
- (۱۵) - "مقدمہ" ابن خلدون ، صفحہ ۸۰ -
- (۱۶) - "مقدمہ" ابن خلدون ، صفحہ ۳۰ -
- (۱۷) - "انقلاب الخلافة الى الملك" (فصل: انقلاب الخلافة الى الملك)

- (۱۸) - دیکھئے اسی ترجیح کا صفحہ ۳۰ ، نکتہ ۵ -
- (۱۹) - یہ شعر جریر (متوفی ۱۱۰ھ جریری) کا ہے اور اس قصیدے سے لیا گیا ہے جس میں اس نے عمر بن عبد العزیز (آٹھواں (۸) اموی خلیفہ ۱۹ھ - ۱۱۰ھ کی مدح کی ہے (مترجم)
- (۲۰) - ابو فراس همام بن غالب بن حفصہ کہا جاتا ہے کہ اس کی

- غم ۱۰۰ سال سے بھی زیادہ تھی اس کا انتقال بصرہ میں ۱۱۵ھ میں ہوا (بعض ۱۱۲ھ اور بعض ۱۱۳ھ کہتے ہیں، مدح میں مبالغہ اور محو میں فحاشی کے لئے مشہور ہے (مترجم) دیکھئے دیوان "فرزدق" مطبوعہ مکتبہ الہیہ، بیروت)
- (۲۱) - ہشام بن عبد الملک، دسوائی اموی خلیفہ، ۱۲۵ھ میں رصافہ میں ۵۵ برس کی عمر میں انتقال کیا (مترجم)
- (۲۲) - طریع بن اسحیل الشعفی، اس نے ولید بن یزید اور ابو جعفر منصور کی مدح کی ہے (دیکھئے "الاغانی جلد ۲، صفحہ ۲۲، بعد" ، مطبوعہ مکتبہ التقدم، مصر)
- (۲۳) - ولید بن یزید، بنی امية کا گیارہواں خلیفہ، جو ۱۲۶ھ میں قتل کر دیا گیا، دیکھئے ابو الغدا جلد ۱، ص ۲۰۵)
- (۲۴) - بجم الدین عمر بن علی القزوینی، المعروف به الکاتبی، متوفی ۲۹۳ھ
- (۲۵) - قطب الدین محمود بن محمد الرازی، متوفی ۴۶۶ھ
- (۲۶) - قاضی عبد الحکیم سیالکوٹی، متوفی ۱۰۶۴ھ مدفون ہے سیالکوٹ، دیکھئے کتاب اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع
- (۲۷) - جرول بن اوس ابن مالک، جس کی وفات ۳۰ھ کے لگ بھگ ہوئی ("فوات الوفیات" جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۶ و بعد)
- (۲۸) - ابو بکر بن مسعود بن احمد علام الدین ملک الحلسی الکاسانی، متوفی ۵۸۰ھ حلب میں دفن ہوئے (الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ)
- (۲۹) - البدائع، جلد ۲، صفحہ ۱۶ (کتاب کا پورا نام یہ ہے : بد بدانع اور الصنائع فی ترتیب الشرائع)
- (۳۰) - Thomas Hobbes - (Thomas Hobbes)، پریاًش ۱۵۸۸، تفصیل کے لئے دیکھئے۔

نامس ہاہز (۱۶۴۹ - ۱۶۸۸) پندرہ سال کی عمر سے پہلے ہی آکسفورڈ میں داخلہ لیا ، لیکن اسے جلد ہی یونیورسٹیوں سے نفرت ہو گئی جو ساری عمر برقرار رہی ، اپنی محنت سے کلاسیکی اسکالر اور چالیس سال کی عمر کے بعد حساب کے مطالعے نے اسے فلسفہ کا شوق دلایا ۱۶۷۰ء میں ملک کے اندر ورنی انتشار کے باعث انگلستان چھوڑ کر فرانس چلا گیا اور گیارہ سال اس نے پیرس کے نامی فلاسفہ اور ساتھ دانوں کی صحبت میں گزارے اور وہیں اس نے اپنا شاہکار "LEVIATHAN" مکمل کیا جس میں اس نے حکومت فرمان روائے اعلیٰ اور معابدہ عمرانی کے مباحث پر اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے

(مترجم)

(۳۱) JOHN LOCKE (۱۶۰۳ - ۱۶۷۲ء) ایضاً (ہاہز کی طرح جان لاک کو بھی آکسفورڈ کی علمی زندگی سے نفرت رہی ، اسے بھی ساتھ سے شفہ رہا اور مشہور فرانسیسی مفکر ڈیکارت سے مستثر ہوا چار سال فرانس میں گزارنے کے بعد انگلستان واپس آیا لیکن اسے فوراً ہی ہالینڈ بھاگنا پڑا سیاسی جلا و طنوں کی آمان گاہ تھی وہیں اس نے اپنی کتاب "TWO TREATISES ON CIVIL GOVT" کے لئے مواد جمع کرنا شروع کر دیا تھا لیکن اس نے اسے انگلستان میں مکمل کیا شہری آزادی کے جدید نظریے کا مودید اور ریاست کے اختیارات اور جائداد کی تحدید کا حاوی رہا اس کے نزدیک خود لوگ اقتدار اعلیٰ کے حامل ہیں (مترجم)

(۳۲) مقاصد الطالبین "از سعد الدین التفتازانی" (حالات کے لئے کمیٹیے ۔ ب۔ دم کا حاشیہ نمبر ۱۱) ۔

خلافت کی قانونی حیثیت

- (۱) - ابن خلدون --- "مقدمہ" صفحہ ۱۸۱
- (۲) - حاتم الاصم البلاخی ، زاہد مشہور متوفی ۲۳۷ھ (ابوالغدا ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۸)
- (۳) - خارجیوں کے نزدیک امام کا تقرر قطعاً واجب نہیں ہے ، لیکن ان میں سے ایک گروہ حالت نند میں اور دوسرا حالت امن میں اسے ضروری قرار دیتا ہے (عقائد نسفیہ حاشیہ قسطلانی)
- (۴) - ابن خلدون --- "مقدمہ" صفحہ ۱۸۱ -
- (۵) - القول المفید على الرسالة المسممة وسیلۃ العبید فی علم التوحید " از شیخ محمد نجیت ، صفحہ ۱۰۰ - (محمد نجیت ۱۹۲۶ء سے پہلے مصر کے مفتی اعظم تھے ، انہوں نے علی عبد الرزاق کی اس کتاب کا جواب بھی لکھا تھا " حقیقتہ الاسلام و اصول الحکم جو ۱۹۲۶ء میں مطبع سلفیہ قاہرہ میں چھپی)
- (۶) - شرح البیضاوی
- (۷) - زمخشیری "الکشاف" - (ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشیری (۵۲۸ - ۵۲۶ھ) ان کی تفسیر "الکشاف" البیضاوی کی تفسیر کی بنیاد ہے) -
- Thomas W Arnold " The Caliphate " . - (۸)
- Clarendon Press Oxford 1924
- (۹) - "المواقف" ۲ صفحہ ۳۶۳ ، از عضد الدین الابی متوفی ۴۵۶ھ
- (۱۰) - محمد رشید رضا : پیغمبر ارشد ۱۸۶۵ء۔ انتقال ۱۹۳۵ء۔ مفتی محمد عبدہ کے شاگرد اور سوانح نگار ۱۸۹۸ء میں ایک رسالہ "المنار" جاری کیا۔ احادیث سے زیادہ شغف تھا

خلافت کے ماتحت "جامعہ اسلامیہ" قائم کرنے کے حاصل تھے "حزب دینی" نے ان کی خلافت کی آپ تمدد پسند تھے۔ تصوف کے غلط عقائد کے مقابل، بد صنون کے دشمن اور خلافت کے سخت حاصل تھے (مترجم)

(۱۱) - سعد الدین تقیازانی، نام مسعود بن عمر، بعض عمر بن مسعود کہتے ہیں۔ فراسان کے شہر تقیازان میں ۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۲ھ میں سر قند میں وفات پائی (دیکھیے: الفوائد البهیۃ فی تراجم الحنفیۃ صفحہ ۱۳۵ و بعد) ان کی لاش بعد میں سرخ منتقل کر دی گئی (جس کتاب کا ذکر تن میں آیا ہے اس کا پورا نام "مقاصد الطالبین فی حصول الدین" ہے)۔

(۱۲) - "الخلافة او الامامة العظمى" از محمد رشید رضا صفحہ ۱۱

(۱۳) - ابو محمد علی بن احمد بن سعید، ۳۸۲ھ میں قرطبه میں پیدا ہوئے اور ۳۵۶ جو میں وفات پائی منقول از دیباچہ کتاب الفضل

(۱۴) - الفصل فی المل والاهواء والنحل جد ۲، صفحہ ۸

(۱۵) - ابن حزم کا قول ہے کہ "یہ حدیث صحیح نہیں" پناہ بندا کہ ہم غیر صحیح چیز سے استدلال کریں! (الفصل: جلد ۲، صفحہ ۱۰۸)

(۱۶) - یہ سب حدیثیں رشید رضا کی کتاب "الخلافة او الامامة العظمى" میں درج میں۔ (ان میں سے اکثر کا مأخذ بیان نہیں کیا گیا)

تیسرا باب

خلافت اجتماعیت کے نقطہ نظر سے

(خاتمه بحث)

- (۱) - "المواقف" از الابی اور اس کی شرح -
- (۲) - عامۃ المسلمين کے نزدیک ہجاع بہان قاطع ہے لیکن اکثر اصحاب رائے مثلاً معتزلہ میں سے ابراہیم النظم اور القاشانی اور خوارج اور روافض میں سے اکثر نے اسے جھٹ نہیں مانا (کشف الاسرار)
- (۳) - بعض روافض اور (معترلہ میں سے) النظم اس بات کے حالی میں کہ ہجاع غیر ضروری امور میں واقع ہو ہی نہیں سکتا اور اہل ظاہر میں سے داؤد اور اس کا فرقہ اور احمد بن حنبل اس بات کے قائل ہیں کہ "صحابہ کے بغیر کوئی ہجاع نہیں" روافض میں سے زید یہ اور امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ "ہجاع قربت رسول کے بغیر صحیح نہیں" امام مالک سے روایت ہے کہ "اہل مدینہ کے سوا کسی کو ہجاع کا حق حاصل نہیں" دیکھئے کتاب "کشف الاسرار" از عبد العزیز بخاری جو حصول امام فخر الاسلام ابو الحسن علی بن محمد بن حسین بزدوی پر ہے مطبوعہ دارالخلافہ ۱۳۰ھ جلد ۳ صفحہ ۹۲۹ و بعد
- (۴) - یہ قول امام احمد بن حنبل سے مردی ہے - دیکھئے (تاریخ التشريع الاسلامی از محمد الحضری صفحہ ۲۰۶)

PLATO " Republic " - (۵)

ARISTOTLE " Politics " - (۶)

(۷) - ابن خلدون "مقدمہ" صفحہ ۱۸۲ ،

(۸) - محمد رشید رضا "الخلافۃ او الامامة العظمی" صفحہ ۲۲ - ۲۵

(۹) - یہ الفاظ اس وقت لکھے گئے تھے جب خلافت ترکی میں موجود تھی اور محمد خامس خلیفہ تھا - اس کے بعد جب وہ توت ہی مت گئی جن پر اس کی خلافت کا دار و مدار تھا تو نہ محمد خامس رہا نہ کوئی اور خلیفہ ، اور خلافت ترکی سے بیشہ کے لئے رخصت ہو

گئی -

(۱۰) - ابن خلدون "مقدمہ" صفحہ ۱۳۲ -

(۱۱) - الفا - صفحہ ۳۸ - (یورپ میں بھی اس نظریے کے حانی بہت رہے، ہیں اور بہت بیش جن کے نزدیک حکومت صرف طاقت پر قائم ہے اور ریاست طاقت ہی کے ذریعے وجود میں آتی ہے (FORCE THEORY) یہ خیال کچھ ایسا نیا نہیں ہے
(مترجم)

(۱۲) - ابن خلدون "مقدمہ" صفحہ ۱۳۶ -

(۱۳) - یہ واقع حضرت عمرؓ کو پیش آیا تھا - - - - - (مترجم)

(۱۴) - مصنف نے صرف پانچ وقت کی فرض رکعتوں کو لیا ہے - - - - - (مترجم)

(۱۵) - ابن عبدررب "العقد الفريد" - - - - - جلد ۲، صفحہ ۳۰ میں یہ درج ہے کہ جب معادیہ ابن ابی سفیان نے یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا تو اس نے ۵۵ ھ میں تمام علاقوں میں یہ لکھ کر بھیجا کہ اس کے پاس وفر بھیجے جائیں - چنانچہ ہر علاقے سے اس کے پاس ایک ایک وفر آیا معادیہ لپٹے دربار میں بھیج گیا اور وفود کو حاضر ہونے کا حکم دیا وہ لپٹے اصحاب سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ وہ یزید کے بارے میں گفتگو کریں - ان میں سے ایک گروہ نے بھی کیا، اس کے بعد یزید بن مقفع کھڑا ہوا اور اس نے کہا یہ میں امیر المؤمنین "وغیرہ، جو اوپر درج ہو چکا ہے، معادیہ نے اس سے کہا: بھیج جاؤ تم خطیبوں کے سردار ہو" (ملحق)

(۱۶) - **معالیک** یہ وہ آزاد شدہ غلام تھے جنہیں چنگیز خاں نے سلطانیں مصر کے ہاتھ فروخت کیا تھا، رفتہ رفتہ ان کا اقتدار فوج اور دربار میں بڑھا گیا، یہ بخوبیہ ترکمان تھے اور انہوں نے بالآخر ۱۲۵۲ء میں توران شاہ ایوی کو قتل کر کے مملوک حکومت کی بنیاد رکھی، امیر معز الدین ایک بہلا مملوک سلطان تھا جس سے توران شاہ کی سوتیلی والدہ شجرة الدر نے شادی کری - ان کا مشہور سلطان ملک الظاہر بیہری تھا - جس نے

عباسی خلافت کو مصر میں قائم کیا۔ ممالیک کی حکومت ۱۳۸۲ء تک قائم رہی (مترجم) -

(۱۷) • جراکسہ (CIRCASSIANS) روی اصل ، چرکسی کہلاتے تھے ، ممالیک ہی کی شاخ ہیں جسے بر جیہہ کہا جاتا ہے ان کا پہلا سلطان ملک الظاہر بر قوق تھا جس نے ۱۳۸۲ء میں ممالیک کی کزوہ حکومت کا خاتمہ کر کے حکومت سنجھان یہ سلاطین بھی ممالیک کی طرح بظاہر عباسی خلفاء کے تابع فرمان تھے لیکن درحقیقت حاکم مصر تھے ، ان کا آخری سلطان تو مان بے ہے جس کی حکومت کو عثمانیوں نے ۱۵۱۰ء میں ختم کر دیا (مترجم)

(۱۸) • بنو عثمان ترک سلاطین ان کا سورث اعلیٰ سلیمان شاہ تھا جس کا ذکر تاریخ میں ۱۴۲۴ء میں آتا ہے - اس کا پوتا عثمان (۱۴۸۸ء) میں اس حکومت کا صہماں اول کہا جا سکتا ہے سلطان سلیمان اول (۱۴۶۲ء تا ۱۵۲۰ء) کے دور حکومت میں مصر پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا اور خلافت کا مستقر قبہرہ سے استہول میں منتقل ہو گیا - یہ خلافت ترکی میں ۱۵۲۳ء تک رہی جب سلطان عبد الجبار کو بر طرف کر کے مصطفیٰ کمال (اتا ترک نے جمہوریت قائم کی -- (مترجم)

(۱۹) - اس کی کامل رواداد کے لئے دیکھئے ، سریامس آرنند کی کتاب The Caliphate

(۲۰) - فیصل بن حسین بن علی (۱۸۸۳ء تا ۱۹۳۳ء) شریف حسین حکمران نہد و جیز کا بنیا ، پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۸ء) میں اس نے انگریزوں کی مدد کی - جنگ کے خاتمے پر انگریزوں نے حسن کارکردگی کے صلے میں اسے عراق کا بادشاہ بنادیا - (مترجم)

(۲۱) - "المواقف ، صفحہ ۲۶۳

(۲۲) - "لابد لهذ الدين ممن يقو مر به

(۲۳) - دیکھئے صفحہ ۳۳ ، نہتہ ،

(۲۴) - بنو بویہ کا پہلا شیعہ حاکم جو ۲۳۲ھ سے ۲۳۶ھ تک بغداد پر حکمران رہا - بنو

بوجہ سال سے زیادہ عرصے تک بغداد پر قابض رہے اور انہوں نے امور خلافت لئے
بانجھ میں رکھے

(۲۵) - بنو ہمدان کا بہلا اور سب سے عظیم للرتبت حکمران جس نے حلب پر ۹۳۳ھ تا
۹۴۴ھ حکومت کی ۔

(۲۶) - "تاریخ الخلفاء" صفحہ ۶۲ و بعد جبے خلد بک صالح شفوت نے فرانسیسی سے
ترجمہ کیا ۔

(۲۷) - ایضاً صفحہ ۶۲

(۲۸) - جب چنگیز خان کے پوتے بلاکو خان نے خلافت بغداد کو متزلزل کیا تو عالم اسلام
جو عباسی خلفاء کو اپنا دینی پیشوں بھجتا تھا، غم میں ڈوب گیا ۔ ملک الظہیر ببرس نے جو
حاکم مصر تھا یہ خیال کیا کہ اگر وہ اپنے ملک میں خلافت کا احیا کرے تو مسلمانوں میں
اس کا اعزاز بڑھ جائے گا چنانچہ وہ خاندان عباسیہ کے ایک فرد مستنصر بالله کو تلاش
کر کے رجب ۶۵۹ھ میں بڑے احترام سے قابره لے گیا تمام عمانی دین سلطنت اور جمہور
مسلمانوں نے بیعت کی اور مصر میں اس کے نام کا سکر و خطبہ جاری ہو گیا ۔
(متزجم)

حصہ دوم

حکومت اور اسلام

عہد نبوی میں نظام حکومت

- (۱) - صحیح بخاری کتاب الشہادات جلد (۳) صفحہ ۱۸۰ -
- (۲) - رفاسہ بک رافع : "نہایۃ الا یجاز فی سیرۃ ساکن العجاجز" صفحہ ۳۲۹ (منقول از کتاب "تخریج الدلالات التسوعیة" -
- (۳) - ایضاً صفحہ ۳۲۹
- (۴) - ابو عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۸۹ھ آپ کا مجموعہ احادیث ان چار مجموعوں میں سے ایک ہے جہنیں "سن" کہا جاتا ہے، ابو داؤد جن کا ذکر تجویزی دیر بعد آتا ہے (متوفی ۲۸۵ھ) بھی ایک "سن" کے جامع ہیں یہ کتابیں "صحیح" بخاری (متوفی ۲۵۵ھ) اور "صحیح مسلم" (متوفی ۲۶۱ھ) سے کم مستند تکمیلی جاتی ہیں۔ (مترجم)
- (۵) - صحیح بخاری: جزو ۵، صفحہ ۱۶۱ - ۱۶۲ "جنتہ الوداع سے قبل علی ابن ابی طالب" اور خالد بن ولید کی یمن کی طرف روانگی
- (۶) - دیکھئے "سیرۃ طبلیہ" جلد (۳) صفحہ ۲۲۸ - ۲۲۹
- (۷) - الجند جیم اور نون کے فتح کے ساتھ یمن کا ایک علاقہ -
- (۸) - "نحویۃ اللہجاءز"
- (۹) - صحیح بخاری: جلد (۵) - صفحہ ۱۴۱ - ۱۴۲
- (۱۰) - یہ کتاب "سیرۃ طبلیہ" کے طلبی پر چھپی ہوئی ہے، جلد (۲) صفحہ ۳۶۸ - ۳۶۹
- (۱۱) - منقول از کتاب ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول "از شوکانی صفحہ ۱۸۸" اس کے مؤلف محمد بن علی بن محمد الشوکانی (متوفی ۱۲۵۵ھ) نے اس حدیث

کے متعلق کہا ہے کہ اس حدیث کے اسناد کی بحث طویل ہے لیکن یہ کہا گیا ہے کہ یہ
ان احادیث میں سے ہیں جو منقول ہیں۔

(۱۲) - دیکھئے "السیرۃ الحلبیہ" از دحلان جو "جو السیرۃ المبہیہ" کے حاشیے پر چھپی ہوئی
ہے، صفحہ ۲۶۸، جلد (۲)

(۱۳) - رفاعة بن بدوي بن علی بن محمد بن علی بن رافع، ان کا سلسلہ نسب امام محمد باقر
بن علی زین العابدین سے جا ملتا ہے۔ (متوفی ۱۲۹۰ھ) (از کتاب "اکتنا، القنوع")

دوسرہ باب

رسالت اور حکومت

(۱) - انجلیل متی: ۲۱، ۲۲

(۲) - دیکھئے تاریخ ابو الفدا جلد (۱) صفحہ (۱۴)

(۳) - ابن خلدون ---- "مقدمہ فصل فی الخطوط الدينية الخلافیہ":
صفحہ ۲۰۸ اور دیگر۔

(۴) - نهایت الایحاز فی سیرة ساکن الحجاز" - صفحہ (۳۵.)

(۵) - بدن کا واحد بدن " ہے یہ وہ گائے یا اونٹ ہے جو کہ میں ذنک کیا جائے
(آنحضرت کسی صحابی کو قربانی کے لئے لائے جانے والے جانوروں کا نگران مقرر فرمایا
دیتے تھے) www.KitaboSunnat.com

(۶) - ستایہ مجاج، یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت

(۷) - یہ غزوہ موتیہ اور سریہ اسماں بن زید کی طرف اشارہ ہے۔

- (۸) - سورة "البقرة" : (۲) آیت (۲۵۶)
- (۹) - سورة "النحل" : (۱۶) آیت (۱۲۵)
- (۱۰) - سورة "الغاشیہ" : (۸۸) آیت (۲۲ - ۲۱ - ۲۰)
- (۱۱) - سورة "آل عمران" (۳) آیت (۲۰)
- (۱۲) - سورة "سورة "يونس" : (۱۰) آیت (۹۹)
- (۱۳) - تاریخ طبری ، ج (۳) صفحہ (۲۱۲) - ابو جعفر بن جریر طبری ، طبرستان میں ۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں فوت ہوئے شام و مصر میں علماء سے درس لیا ، حافظ قرآن تھے علم حدیث ، قرأت اور تفسیر میں نام پیدا کیا اپنی زندگی کے آخری دنوں میں خلافت عباسیہ کا زوال دیکھا مشہور کتاب "تاریخ الامم و الملوك" کے مصنف ہیں جس میں حضرت آدم سے لے کر اپنی وفات سے آٹھ سال پیش تک کے حالات لکھے (مترجم)
- (۱۴) - سورة "الاسراء" (یا سورة بنی اسرائیل) (۱۰ - ۸۵)
- (۱۵) - "الکامل" المسند ، جلد (۱) صفحہ (۲)
- (۱۶) - "السیرۃ الحلبیہ" جلد (۳) صفحہ (۳۶۲)
- (۱۷) - "السیرۃ النبویۃ" (السیرۃ الحلبیہ) کے حاشیے پر جلد (۳) ، صفحہ (۳۶۰)
- (۱۸) - "السیرۃ الحلبیہ" جلد (۳) صفحہ (۲۴۲)
- (۱۹) - "السیرۃ الحلبیہ" جلد (۳) صفحہ (۲۸۲)
- (۲۰) - "سورة "ص" : (۳۸ - ۳۶) (۸۶ - ۸۴)
- (۲۱) - "سورة الحج" : (۲۲ : ۲۲ : ۲۸)
- (۲۲) - "فتح الباری" جلد (۲) صفحہ (۸۹) (مطبع خیریہ) و "نحن کی بجائے" "انا" کی روایت بھی ہے)
- (۲۳) - شرح الحسقلانی البخاری ، جلد (۲) ، صفحہ (۸۸) (مطبع خیریہ)

(۲۳) - سورة "البقرة" (۲: ۱۸۴)

(۲۵) - حکیم الامت علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صنائی مگر جوئے نگوں کی ریزہ کاری ہے
(مترجم)

تیسرا باب

نبوت نہ کہ حکومت ۔۔ دین نہ کہ دولت

(۱) - مسلم اور بخاری کی روایت ذرا مختلف ہے دیکھئے : "تیسیر الوصول الى
جامع الاصول " جلد (۳) صفحہ (۳۲۰)

(۲) - حضرت عائشہؓ سے مردی ہے ("دھی کیسے شروع ہوئی ؟") مسلم و بخاری بغیر اسناد

(۳) - حدیث انسؓ (ترمذی)

(۲) - میرا خیال ہے میں نے کسی کتاب میں یہ پڑھا تھا (جس کا نام مجھے اب یاد نہیں)
کہ " جبار کسی عرب بادشاہ کا نام تھا اور اسی لئے خدا نے کہا ہے : وما انت
علیهم بجبار لیکن میں نے اب لغت کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ بادشاہت
کا نام " جبر " ہے یہ محاورہ ہے " طبع الجبار یعنی جبار طلوع ہوا (مراد " جوزا ") کوئکہ
اس کی شکل ایسے بادشاہ سے ملتی ہے جو تاج ہبھن کر تخت پر بیٹھا ہو ، اور یہ بھی کہا جاتا
ہے کہ فلاں اتنی قوت کا مالک ہے جتنی کہ قوت جبار یعنی بادشاہ کی قوت ، و اللہ اعلم

(مصنف)

(۵) - "السیرة النبویة" از احمد بن زینی دھلان ، متوفی ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۹ءی میں تحریر کیا گیا ، (از کتاب "اكتفاء بالقتوغ")

(۶) - شیخ محمد عبده "رسالتة التوحید" صفحہ (۱۲۲ - ۱۲۳)

(۷) - احمد بک الشوقي - (متوفی ۱۹۳۲ء) بلند پایہ شاعر قبرہ میں پیدا ہونے والی اور فرانس میں تعلیم پائی۔ خدیو مصر توفیق نے اپنی معیت میں لے لیا ہمیلی جنگ عظیم میں جب انگریزوں نے چالبازی سے خدیو کو تخت سے اتار دیا تو انہیں بھی لال و عیال سیست وطن چھوڑ کر بار سلوانا میں پناہ لینی پڑی ، اور جنگ ختم ہونے تک واپس نہ آئے قبرہ ہی میں دفات پائی۔ (ترجمہ)

حصہ سوم

خلافت اور حکومت تاریخ میں

بہلا باب

وحدت دینی اور عرب

(۱) - ابو الفداء ، جلد (۱) صفحہ (۱۳۲)

(۲) - "مقدمہ" ابن خلدون ، صفحہ (۱۴۶)

(۳) - "الفصل فی الملل والاهوائ والنحل" جلد ، (۲) ، صفحہ (۱۰۰)

و بعد

(۲) - جب آنحضرت نے رحلت فرمائی تو حضرت عمر یہ کہنے کے لئے کھرے ہوئے کہ "منافقین میں سے اکثر یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت کا انتقال ہو گیا ہے ، خدا کی قسم ! رسول خدا نے وفات نہیں پائی وہ تو صرف اپنے خدا کے پاس گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ گئے تھے اور اپنی قوم سے چالیس راتیں غائب رہے تھے اور اس کے بعد واپس تشریف لے آئے تھے ۔ حالانکہ ان کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ وہ وفات پا گئے ہیں خدا کی قسم ! آنحضرت ضرور واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ دفات پا گئے ہیں ، (تاریخ طبری جلد

(۳) صفحہ (۱۹۶)

(۵) - تاریخ طبری جلد (۳) صفحہ (۲۰۳)

دوسرا باب

دولت عربیہ

(۱) - یعنی جب تک ملوک نے اس کے بعد جبر و ظلم کرنا شروع نہ کر دیا (اساس البلاغۃ از ز مختری) (مراد یہ ہے کہ ہر بھی کے بعد جابرانہ حکومت قائم ہو گئی)

(۲) - تاریخ طبری : جلد (۳) صفحہ (۱۹۸)

(۳) - تاریخ طبری : جلد (۳) ، صفحہ (۲۰۲) و بعد

(۴) - تاریخ طبری : جلد (۳) ، صفحہ (۲۱۰)

(۵) - تاریخ طبری : جلد (۳) ، صفحہ (۲۱۱)

تیسرا باب

خلافت اسلامی

(۱) - تاریخ طبری ، جلد (۳) ، صفحہ ۲۲۶ --

(۲) - "مقدمہ" ابن خلدون : صفحہ (۱۸۱)

(۳) - جب آگ جلانی جاتی ہے تو اس پر ہندیا دو مقابل پتھروں پر رکھی جاتی ہے ، اور ایک پتھر پیچھے ہوتا ہے اگر تیسرا پتھر نہ ملے تو ہندیا کو پہاڑ کے ساتھ میک دے دیتے تھے۔

(۴) - دیکھئے "تاریخ ابو الغدا" جزو اول ، صفحہ (۱۵۸ ، ۱۵۹)

(۵) - خطیل بن اوس (حسین بن اوس کا بھائی) -- تاریخ طبری ، جلد (۳) ، صفحہ (۲۲۳)

(۶) - البخاری --- جلد (۲) ، صفحہ (۱۰۵)

152.17.....

www.KitaboSunnat.com

